پندرہ روزہ

احباب جماعت کی تعلیم و تربیت کے لیے

پیغامِ صلح لاہور

فون نمبر: 5863260 5862956 | مدیر: چوہدری ریاض احمد | نائب مدیر: حامد رحمٰن | رجسٹرڈ ایل نمبر: 8532 | قیمت فی پرچہ -/10 روپے

Email: centralanjuman@yahoo.com

جلد نمبر 100 | 23 شوال تا 23 ذیعقد 1434 ہجری یکم تا 30 ستمبر 2013ء | شمارہ نمبر 18-17

احمدیہ انجمن لاہور کی خصوصیات

- آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پرانا۔
- کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔
- قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔
- سب صحابہ اور آئمہ قابل احترام ہیں۔
- سب مجددوں کا ماننا ضروری ہے۔

ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

ایمان بڑی دولت ہے

ایمان بڑی دولت ہے اور ایمان کی تعریف یہ ہے کہ اس حالت میں مان لیا جائے جبکہ علم ابھی کمال کے درجہ تک نہ پہنچا ہو۔ اور ابھی شکوک و شبہات سے ایک جنگ جاری ہو۔ ایسی حالت میں جو شخص تصدیق قلبی اور تصدیق لسانی سے کام لیتا ہے وہ مومن ہوتا ہے اور حضرت احدیت میں اس کا نام راست باز اور صادق رکھا جاتا ہے اور اس کے اس فعل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے موہبت کے طور پر معرفتِ تامہ کے مراتب کھولے جاتے ہیں اور اصل بہشت اسی ایمان سے شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں جہاں بہشت کا ذکر فرمایا ہے وہاں پہلے ایمان کا تذکرہ کیا ہے اور اس کے بعد اعمالِ صالحہ کا اور ایمان و اعمال ہر دو کی جزا جنت تجری من تحتها الانهار فرمائی ہے۔ یعنی ایمان کی جزا جنت اور جنت کو ہمیشہ سرسبز رکھنے کے لئے چونکہ نہروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے جنت کی نہروں کو اعمالِ صالحہ کا نتیجہ فرمایا ہے۔ اور فی الحقیقت اس زندگی کے اعمال صالحہ آئندہ زندگی میں انہارِ جاریہ کے رنگ میں متمثل ہو جائیں گے۔ اس دُنیا میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جوں جوں انسان اعمالِ صالحہ میں ترقی کرتا جاتا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچتا اور سرکشی اور حدود اللہ سے اعتدا کرنے کو چھوڑ جاتا ہے۔ اسی قدر اس کا ایمان ترقی کرتا ہے۔ اور ہر نئے عمل صالح پر اس کے ایمان میں ایک زیادتی اور دل میں ایک قوت پیدا ہو جاتی ہے اور خدا تعالیٰ کی معرفت میں اُسے ایک لذّت آنے لگتی ہے اور یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ اس کے دل میں ایک ایسی کیفیت محبت اور عشقِ الٰہی کی اللہ تعالیٰ کی موہبت اور فیض سے پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کا سارا وجود اس محبت اور سرور سے جو اس کا نتیجہ ہوتا ہے، پیالہ کی طرح لبالب بھر جاتا ہے۔ اور انوارِ الٰہی اس کے دل پر بکلی احاطہ کر لیتے ہیں اور ہر قسم کی ظلمت، تنگی اور قبض دور کر دیتے ہیں۔ ایسی حالت میں تمام مصائب اور مشکلات بھی جو مومن کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں پیش آتے ہیں ایک لحظہ کے لئے بھی اس کے دل کو پراگندہ اور منقبض نہیں کر سکتے۔ بلکہ وہ بجائے خود محسوس اللذت ہوتے ہیں اور یہ ایمان کا آخری درجہ ہوتا ہے۔ (اپریل 1981ء)

خدا پر خدا سے یقین آتا ہے

حضرت (بانی سلسلہ احمدیہ)

یہ سچ ہے کہ جو پاک ہو جاتے ہیں — خُدا سے خُدا کی خبر لاتے ہیں
اگر اس طرف سے نہ آوے خبر — تو ہو جائے یہ راہ زیر و زبر
طلب گار ہو جائیں اس کے تباہ — وہ مر جائیں دیکھیں اگر بند راہ
مگر کوئی معشوق ایسا نہیں — کہ عاشق سے رکھتا ہو یہ بغض و کیں
خدا پر تو پھر یہ گماں عیب ہے — کہ وہ راحم عالم الغیب ہے
اگر وہ نہ بولے تو کیوں کر کوئی — یقین کر کے جانے کہ
نہ جانا کہ الہام ہے کیمیا — اسی سے تو ملتا ہے گنجِ لقا
اسی سے تو عارف ہوجائے بادہ نوش — اسی سے تو آنکھیں کھلیں اور گوش
یہی ہے کہ نائب ہے دیدار کا — یہی ایک چشمہ ہے اسرار کا
اسی سے ملے اُن نازک علوم — اسی سے تو ان کی ہوئی جگ میں دھوم
خدا پر خُدا سے یقین آتا ہے — وہ باتوں سے ذات اپنی سمجھاتا ہے
کوئی یار سے جب لگاتا ہے دِل — تو باتوں سے لذت اٹھاتا ہے دِل
کہ دلدار کی بات ہے اک غذا — مگر تُو ہے منکر مجھے اس سے کیا

وہ ہے مہربان و کریم و قدیر
قسم اس کی ۔ اس کی نہیں ہے نظیر

خطبہ عید الفطر

فرمودہ حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

مورخہ 9 اگست 2013ء بروز جمعتہ المبارک، بمقام جامع دارالسلام، لاہور

ترجمہ: ”اللہ بے انتہاء رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے“

”رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اتارا گیا لوگوں کے لئے ہدایت، اور ہدایت کی اور حق اور باطل کو الگ کر دینے کی کھلی دلیلیں ہیں، پس جو کوئی تم میں سے اس مہینے کو پائے تو چاہیے کہ اس کے روزے رکھے اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اور دنوں سے گنتی (پوری) کی جائے، اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے تنگی نہیں چاہتا، اور کہ تم گنتی کو پورا کرو اور اللہ کی بڑائی کرو اس لئے کہ اس نے تمہیں ہدایت کی اور تا کہ تم شکر کرو“۔

(سورۃ البقرۃ، آیت 185)

یہ قرآن کریم کی اس آیت کریمہ کے رکوع کا حصہ ہے جس میں رمضان المبارک کے احکامات آئے ہیں۔ اور ان آیات کے آخر میں جو اہم الفاظ آتے ہیں وہ یہ ہیں کہ **”اور اللہ کی بڑائی کرو، اس لئے کہ اس نے تمہیں ہدایت کی اور تا کہ تم شکر کرو“** تو آج جو عید الفطر ہم منا رہے ہیں وہ بھی اس آیت کی تکمیل میں ہے، ہم یہاں جمع ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ یوں عید الفطر ایک ایسا تہوار بن جاتا ہے جس میں تمام مسلمان جن کو اللہ تعالیٰ نے روزے رکھنے کی توفیق دی اُس کا شکر ادا کرتے ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ کے مشکور ہیں کہ اس نے رمضان المبارک جیسا بابرکت مہینہ ہمارے لئے مہیا کیا جس میں ہم نہ صرف روزے رکھ کر کھانے پینے سے پرہیز کرتے ہیں بلکہ کثرت سے قرآن کریم پڑھتے اور تراویح میں بھی سنتے ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی ادائیگی کا بھی شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں ایک حکم دیا کہ **”پس جو کوئی تم میں سے اس مہینے کو پائے وہ روزے رکھے“** تو اس کی دی ہوئی توفیق سے ہم نے روزے بھی رکھے اور یوں اُس کے حکم کی تکمیل کی۔

جب کبھی رمضان کا مہینہ آتا ہے تو شیطان بہت سے وساوس پیدا کرتا ہے کہ اس گرمی نے تو اس سال تمہیں مار ہی دینا ہے، سب خطرات ہی خطرات ہیں۔ صحت پر بُرا اثر پڑے گا، تم تو ویسے بھی کمزور ہو، وغیرہ وغیرہ۔ ان سب وہمات کو جب ہم پس پشت ڈال کر روزے رکھنے کا ارادہ کر لیتے ہیں تو اللہ تمام آسانیاں مہیا فرما دیتا ہے۔ اس کی مثال اس سال ہم نے دیکھی کہ باوجود اتنی گرمی کے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے روزے بہت ہی آسان کر دیئے۔

ایک اور بات جس کا ہم شکر ادا کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ جو مقصد روزوں کا رکھا گیا ہے یعنی **لعلکم تتقون (تا کہ تم متقی بنو)** اور الحمد للہ ہم نے اپنی اپنی طاقت کے مطابق وہ راہیں اختیار کیں جو متقی کی راہ ہوتی ہے۔ قرآن ھدی للمتقین ہے اس میں جو راہ دکھائی گئی ہے اس پر عمل کرنے کی ہم نے پوری کوشش کی۔

”اللہ کی بڑائی کرنے“ کا جو حکم ہے اس کا بھی اللہ نے ہمیں ایسا موقع دیا ہے کہ ہم اپنی نمازوں میں اس کی بڑائی کرتے رہے اور پھر عیدین کی نمازیں ایسی رکھی ہیں کہ ان میں زیادہ تکبیریں ہیں جن میں ہم بار بار اللہ اکبر، اللہ اکبر کہہ کر خدا تعالیٰ کی بڑائی بیان کرتے ہیں۔ اور دل سے اگر یہ تصور کر لیا جائے اور اس کو ممکن بنا لیا جائے کہ اللہ واقعی اکبر ہے، اس کو Great نہ کہنا بلکہ The Greatest کہنا اور یہی تصور دل میں لانا اور پھر یہ تصور بھی لانا کہ اس The Greatest ہستی کے سامنے ہم کتنی حقیر چیز ہیں اور وہ ہمیں موقع عطا فرما رہا ہے کہ ہم اس کی بڑائی کو بیان کریں۔

اس دنیاوی زندگی میں والدین کا شکرادا کرنا ہرانسان پر فرض ہے لیکن اس کے برعکس یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر ہم اپنی بیمار ماں کی ساری رات کھڑے ہوکر خدمت کریں تو بھی وہ اس کی ایک نیکی مثلاً ہمیں خوراک دینا، کپڑے بدلنا یا ہمیں صاف رکھنے کا بدلہ نہیں ادا کر سکتے۔ اس مثال کو ذہن میں رکھتے ہوئے اگر ہم سوچیں کہ خدا تعالیٰ جس نے تمام کائنات بنائی اور ہمیں ہر چیز مہیا کی اس کا شکر ادا کرنا ماں کے مقابلے میں کتنا زیادہ ہونا چاہیے۔ **قرآن کریم کے شروع کے الفاظ ہیں الحمد للہ رب العالمین اور سورۃ فاتحہ سے قرآن کا آغاز ہونا اسی لئے ہے کہ ہم اس سورۃ کے ذریعہ سے خدا کا شکر دن رات ادا کرتے رہا کریں۔**

عیدالفطر کا مفہوم

عیدالفطر کا مفہوم بہت سے مسلمان اور تقریباً تمام ہی غیر مسلم سمجھ نہیں پائے۔ ان کے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ فاقہ کشی ہوئی پیاس سے دوچار ہونا پڑا اور اب خدا تعالیٰ نے آزادی دے دی ہے کہ کھانے اور پینے پر ٹوٹ پڑو بلکہ یہاں تک کہ جن چیزوں سے ہم نے اپنے آپ کو روکا رکھا اُن تمام کو ہم زور و شور سے دوبارہ شروع کر دیں۔ اس چیز کو ہمیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ یہ ایک عبادت تھی نہ کہ فاقہ کشی۔ اور نہ ہی آج وہ دن ہے جو ہم کھانے پر ٹوٹ پڑیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا اور شکر ادا کرنے کا دن ہے۔

فطر کا لفظ ف، ط، ر سے ہے جس میں تین مفہوم آتے ہیں۔ فطر ''روزے کا کھولنا'' یعنی روزے ختم ہو گئے اور ہم نے کھول دیئے۔ **دوسرا مفہوم** بہت اہم ہے اور وہ ہے **فطرت**، اللہ تعالیٰ نے ہمیں موقع عطا فرمایا کہ ہمیں جس پاک فطرت پر پیدا کیا تھا ہم اس کی طرف روزے رکھنے اور عبادات کرنے کی وجہ سے دوبارہ لوٹ سکیں۔ اور **تیسرے مفہوم** میں فطرانہ کی طرف اشارہ ہے۔ فطرانہ حدیث شریف کے مطابق وہ کمی جو رمضان المبارک میں انسان سے رہ جاتی ہے اس کو پورا کرنے کے لئے رکھا گیا ہے۔

روزہ جہاد کبیر ہے

روزے کو ایک بڑا جہاد کہا گیا ہے۔ یہ نفس کی کمزوریوں کے خلاف ایک جہاد کبیر ہے اور اگر ہم نے اپنے نفس پر رمضان میں فتح حاصل کر لی ہے تو ہمیں اب پوری کوشش کرنی چاہیے کہ اپنے نفس پر اس فتح کو برقرار رکھیں۔ **عید الفطر کو ایک معمولی تہوار نہ سمجھیں**۔ یہ نہ سمجھیں کہ ایک قمری کیلنڈر کے مطابق ایک تاریخ تھی جو آئی، ہم نے اس کو منایا اور پھر وہ گذر گئی۔

کوشش کریں کہ جو عید کا روحانی مقصد اور مطلب ہے اس کو دل میں ہمیشہ کے لئے قائم رکھیں اور پوری کوشش کریں کہ اگلے گیارہ ماہ جو رمضان آنے تک گذریں گے اُن کے دوران ہم نے جو حاصل کیا اس کو ہم قائم رکھیں اور پھر کوشش کریں کہ دوبارہ رمضان نصیب ہو تو ہم اس میں جو اَب حاصل ہوا ہے اس میں مزید ترقی کی کوشش کریں۔

جیسے میں نے اپنے رمضان المبارک کے پہلے خطبہ میں مثال دی تھی کہ جب ہم قصد کر لیتے ہیں کہ ہم جسمانی صحت پر دھیان دیں گے تو ہم روزانہ اپنی ورزش کرتے ہیں، اچھی اچھی خوراک کھاتے ہیں اور ذرا سی بیماری ہو جائے تو ڈاکٹروں کے پاس بغیر وقت ضائع کیے پہنچتے ہیں۔ دوسری طرف رُوح ہے اس کو بھی صحت کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے لئے بھی ہمیں روحانی Muscles کی ضرورت ہوتی ہے جس کا بہترین موقع رمضان المبارک میں ہے۔ اب جبکہ روحانی مسلز (Muscles) بن گئے، ہم نے ان کو قائم رکھنا ہے اور پوری کوشش کرنی ہے کہ یہ قائم رہیں۔ کھانا پینا تو آج سے شروع ہو جائے گا لیکن یہ یاد رہے کہ جس طرح کھانا پینا صبح کے وقتوں میں بند تھا اور کچھ اور چیزیں بھی بند تھیں جو اَب شروع کر دی گئیں ہیں۔ ان کے بارے میں یہ یاد رکھیں کہ ان کی اب بھی پرہیز ضروری ہے مثلاً ہم نے زبان کا روزہ رکھا اور کوئی جھوٹ نہیں بولا، تہمتیں نہیں لگائیں، غیبت نہیں کی، ساری چیزیں جو قرآن نے منع کی ہیں وہ نہیں کیں۔ تو کیا جیسے آج کھانا اور پانی کھل گیا ایسے ہی آج اجازت مل گئی کہ ہم جھوٹ بولیں اور سب کچھ کریں جو نہیں کرنا چاہیے۔ اسی طرح خود اپنے جسم کا ایک ایک ٹکڑا لے کر حاضری لگالیں کہ اس کو آپ نے کیسے کنٹرول میں رکھا اور وہ کیسے کنٹرول میں آ گیا اور اسی عادت کو ہم نے آگے لے جانا ہے کہ ہم انہی چیزوں سے جن سے ہم رُکے تھے کہ وہ گناہ تصور کی جاتی تھیں اُن سے ہم اب بھی رُکے رہیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ وہ دن جس میں ہم اللہ کی نافرمانی سے بچے رہیں وہی عید کا دن بن جاتا ہے" ۔اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اندر کی اصلی خوشی کو ختم کرڈالتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکموں پر سرِتسلیم خم رکھنا، یہ عید کا موجب بنتی ہے اور جو انسان خدا سے دور ہوتا ہے وہ مردہ انسان ہوتا ہے، جو انسان خدا کو یاد کرتا ہے خدا اُسے یاد کرتا ہے جیسے قرآن میں فرمایا: **"تم مجھے یاد کرو گے تو میں تمہیں یاد کروں گا"**۔

ایک انگلش کتاب میں لکھا ہے:

"Don't die again with the holy ruddy mind inside still unclaimed when you could be swinging a boarding prick with each step"

اس کا اُردو ترجمہ جو نظم کے انداز میں میں نے کیا ہے وہ کچھ ایسے بیان ہوگا:

"پھر سے نہ مر جانا،
اندر اپنے قیمتی لعلوں کے کان لیے ہوئے،
زندہ رہو اک جستجو لیے ہوئے،
زندہ رہو،
ہر قدم پر کھودتے ہوئے،
اس لعل انمول کو پا لینے تک"

یعنی ہر قدم پر کھودتے جاؤ حتیٰ کہ وہ لعل جو خدا تعالیٰ کی ہستی ہے اُس کو پالو۔اب جو رُوح کو نئی زندگی رمضان نے بخشی ہے اسے پھر سے ہم نہ مرنے دیں۔کوشش جاری رکھیں اور اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے کیونکہ بغیر اس کی توفیق کے کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔اگر ہم نے وہ حاصل نہ کیا جو اس عید کا مقصد تھا تو پھر یہ عید اچھے اچھے کپڑے پہننے اور ملنے ملانے، تحفے قبول کرنے اور کھانے پینے کے علاوہ کچھ اہمیت نہ رکھے گی۔

امام وقت کو نہ پہچاننے کے نقصانات

اس خوشی کے دن صبح کی خبریں سن کر میرا دل نہایت افسردہ ہوا۔نہ جانے وہ کیسے لوگ ہوں گے جنہوں نے آج کے مقدس دن میں بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہوئے عید کی نماز ختم ہوتے وقت دو دو کر کے چاروں اطراف سے بندوقوں سے لوگوں کو مارنا شروع کر دیا وہاں تو یہ عید آج ہی ماتم بن گئی۔اسی بدنصیبی سے ہمارا ملک گذر رہا ہے کہ ایک امام کو نہ پہچانا بلکہ اس کی تذلیل کی، اس کو بُرا بھلا کہا، اس کو گالی گلوچ دی۔اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام لایا تھا۔اللہ تعالیٰ نے کہہ رکھا ہے کہ وہ ایسے لوگوں کے پیچھے اپنی فوجیں بھیجے گا، ہمیں اس پر بھی یقین ہے، اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر بھی یقین ہے، اور ہماری یہ کوشش ہے کہ ہمیں جو نئی زندگی ملی ہے اس کو اپنے اندر زندہ رکھیں۔

دُعا

ہم اپنے اس پاکستان کے لئے دعا کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ اس کو پاک کردے اور امن والا بنا دے۔اور اس کو ایک دوسرے کو برداشت کرنے والا ملک بنا دے۔ایک دوسرے کی تکفیر سے باز آنے والا ملک بنا دے۔اور مسلمانوں کی جانوں اور خونوں سے کھیلنے سے لوگوں کو گریز کرنے والا بنا دے۔ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف پڑ جائے اور وہ تقویٰ کی راہوں کو اختیار کرلیں۔آمین

اللہ تعالیٰ اس جماعت کو جس نمونے کے لئے تیار کی گئی ہے اس نمونے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔اس کو تمام ظالموں سے بچائے رکھے۔اللہ تعالیٰ اس کو ہر قسم کی حفاظت عطا فرمادے۔آمین

جہاں جہاں بیمار ہیں اللہ تعالیٰ ان کو شفاء عطا فرمائے اور جو مسائل ہماری جماعت کو ہیں جو رکاوٹیں اس کے دین کو آگے پھیلانے میں ہیں اللہ تعالیٰ ان سے ہمیں نجات دے۔ہم پورا یقین رکھتے ہیں کہ اس کا فیصلہ تمام عدالتوں، تمام اسمبلیوں کے فیصلوں سے آگے ہے۔ہم اس عید کے دن اُسی کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں، نہ کسی جج کا، نہ کسی وکیل کا، نہ کسی سیاستدان کا، ہم سب سے بڑا جو حاکم ہے جو تمام طاقتوں کا مالک ہے اس کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں اور اس سے التجا کرتے ہیں کہ یا اللہ تو ہماری حفاظت فرما اور ہم پر جو مظالم ہیں ان کو ہٹا، اور اللہ تعالیٰ تو ہمیں پھر سے آزادی دے کہ ہم تیرے نام کو دنیا کے کونوں کونوں تک پھیلائیں"۔آمین

نماز عیدین

حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ

اسلام کے تہوار

اسلام میں دو بڑے تہوار ہیں جنہیں مذہبی سند حاصل ہے۔ان دونوں میں دو رکعت نماز باجماعت ادا کی جاتی ہے اور اس کے بعد خطبہ دیا جاتا ہے۔یہ دونوں تہوار عید کے نام سے مشہور ہیں۔جس کے معنی ہیں بار بار آنے والی خوشی۔یہ لفظ عَـــوْدٌ سے مشتق ہے جس کے معنی واپس آنے کے ہیں۔ان میں سے پہلی عید عید الفطر کہلاتی ہے۔ فَطَرًا کے معنی شروع کرنے کے ہیں۔اسی سے فطرۃٌ مشتق ہے جس کے معنی سرشت کے ہیں۔اِفـطـارٌ کے معنی روزہ کھولنے کے ہیں۔گویا روزہ کھولنے والا ایک فطری حالت کی طرف لوٹتا ہے یا جبکہ اس نے فطرت کے ایک تقاضا کو پورا کیا ہے۔اسی مناسبت سے عیـد الـفطر کا نام رکھا گیا ہے کیونکہ یہ عید روزوں کے مہینہ کے بعد پہلی شوال کو منائی جاتی ہے۔

دوسری عید، عید الاضحیٰ ہے۔اَضحیٰ واحد۔اس کی جمع اَضحِیَۃٌ اور اضاحی آتی ہے۔اَضـحیٰ کے معنی قربانی کے ہیں۔اس سے ظاہر ہے کہ یہ دونوں تہوار کسی فرض کے انجام دینے سے تعلق رکھتے ہیں۔پہلی صورت میں روزہ رکھنے کے فرض کی تکمیل ہے اور دوسری میں قربانی کی۔فرض کے پورا کرنے پر خوشی منانا اس امر پر دال ہے کہ انسان کی حقیقی خوشی اداءِ فرض پر منحصر ہے۔اس لئے اسلامی تہواروں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کے نیچے ایک گہری روحانی حقیقت پائی جاتی ہے۔لیکن ان کی ایک اور خصوصیت بھی ہے اور وہ یہ کہ اپنی سب سے بڑی خوشی کے موقعہ پر مسلمان زیادہ سے زیادہ تعداد میں جمع ہو کر اپنے خالق کے سامنے سربسجود ہوتے۔اور اس کا شکر بجالاتے ہیں کہ اس نے انہیں اداءِ فرض یا قربانی کی توفیق عطا کی۔اس طرح دونوں تہواروں کی روحانی اہمیت کا مظاہرہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے ہوتا ہے جو اس تہوار کی ایک اہم خصوصیت ہے۔

عید کا اجتماع

عید کی تیاری نماز جمعہ کی تیار سے ملتی جلتی ہے۔مسلمان کو اس دن غسل کرنا چاہیے۔بہترین لباس پہننا اور خوشبو لگانی چاہیے اور ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے کہ وہ صاف ستھرا نظر آئے۔عید کا اجتماع کسی کھلی جگہ میں زیادہ مستحسن ہے لیکن ضرورت کے وقت مسجد بھی نماز کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے۔کھلی جگہ کو اس وجہ سے ترجیح دی جاتی ہے کہ ممکن ہے لوگوں کی زیادہ تعداد ایک مسجد میں سمانہ سکے،نماز عید کے لئے اذان نہیں دی جاتی اور نہ صفوں کو درست کرنے کے لئے اقامت پڑھی جاتی ہے۔اگر چہ خواتین بھی تمام نمازوں اور جمعہ کی نماز میں شریک ہوتی ہیں لیکن عید کے موقع پر انہیں حاضر ہونے کی خاص طور پر تاکید کی گئی ہے کیونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''جوان عورتیں اور پردہ والیاں اور حیض والیاں نکلیں اور بھلائی اور مومنوں کی دعا میں حاضر ہوں اور حیض والیاں نماز گاہ سے الگ رہیں'' عید کی نماز کا وقت طلوع آفتاب کے بعد دوپہر سے پہلے تک ہے۔

نماز عید

عید کی نماز دو رکعت باجماعت پر مشتمل ہے۔امام نماز جمعہ کی طرح سورۃ الفاتحہ اور قرآن مجید کا کوئی ایک حصہ بلند آواز میں پڑھتا ہے۔جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے،عیدین کی نماز میں نہ اذان ہے اور نہ اقامت۔لیکن علاوہ ان تکبیروں کے، جو ہیئتوں کی تبدیلی پر بولی جاتی ہے،متعدد اور تکبیریں بھی اس نماز میں کہی جاتی ہیں۔ثقہ ترین سند کی بناء رپ ان زائد تکبیروں کی تعداد سورۃ الفاتحہ سے پہلے سات تکبیریں پہلی رکعت میں اور پانچ تکبیریں دوسری رکعت میں کہی جاتی ہیں۔امام ان تکبیروں کو باآواز بلند پکارتا ہے اور ہر تکبیر پر اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھاتا

اور پھر اصلی حالت میں چھوڑ دیتا ہے۔ مقتدی بھی اسی طرح اپنے ہاتھوں کو اُٹھاتے ہیں اور چھوڑ دیتے ہیں۔

عید کا خطبہ

خطبہ نماز ختم ہونے کے بعد دیا جاتا ہے۔ خطبہ کا طریق اور اس کا مضمون جمعہ کے خطبہ کی طرح ہوتا ہے۔ صرف اس قدر فرق ہے کہ خطبہ جمعہ میں امام دوران خطبہ میں ایک دفعہ بیٹھ کر پھر خطبہ دیتا ہے۔ لیکن عیدین کے خطبہ کو اس طرح دو حصوں میں تقسیم نہیں کیا جاتا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق یہ تھا کہ آپ مستورات کو الگ خطاب فرماتے تھے اور انہیں حکم تھا کہ وہ سب شریک اجتماع ہوں خواہ نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں۔

عیدین میں صدقات

عیدین کا تہوار منانے میں مسلمان (نماز ادا کر کے) صرف خدا کو ہی یاد نہیں کرتا بلکہ اس کو حکم ہے کہ وہ اپنے غریب بھائیوں کو بھی یاد کرلے۔ دونوں عیدوں کے موقع پر غرباء کے لئے خیرات فنڈ کا انتظام کیا گیا ہے۔ عیدالفطر کے موقع پر ہر مسلمان کو صَدَقَةُ الْفِطْرِ (فطر بمعنی خیرات) دینا ضروری ہے جس کی مقدار فی کس تین یا چار سیر گندم یا جَو یا چاول یا ملک کا دوسرا اناج ہے (ایک سیر تقریباً ایک کلو کے برابر ہوتا ہے)۔ یہ صدقہ گھر کے ہر ایک فرد چھوٹے بڑے مرد عورت بلا استثناء سب کی طرف سے دینا ضروری ہے۔ نقدی کی صورت میں ہندوستان (پاک و ہند) میں فی کس تین 100 روپے بنتے ہیں۔ فطرانہ نماز عید سے پہلے ہی ادا کر دینا چاہیے اور یہ فرض ہے۔ عہد اسلام میں زکوٰۃ کی طرح فطرانہ ایک نظام کے تحت ادا ہوتا تھا جیسا کہ ایک حدیث میں تصریحاً مذکور ہے:

''وہ یہ صدقہ جمع کرنے کے لئے دیتے تھے اور گداگروں میں تقسیم کرنے کے لئے نہیں ہوتا تھا''۔

ایک دوسری حدیث کے مطابق ابوہریرہؓ کا قول ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رمضان کی زکوٰۃ جمع کرنے کا کام سپرد کیا تھا۔ صدقہ فطر جمع کرنے کا اصول، جو اُحادیث میں اس قدر وضاحت سے بیان کیا گیا ہے، اب مسلمانوں نے ترک کر دیا ہے۔ جس کا یہ نتیجہ ہے کہ غریبوں اور محتاجوں کی فلاح و بہبود کے لئے جو ایک اعلیٰ نظام اسلام نے قائم کیا تھا وہ معدوم ہو گیا اور اس طرح سے لاکھوں روپیہ، جو مسلمانوں کے قومی فنڈز کی تقویت کا موجب ہو سکتا تھا، وہ ضائع ہو رہا ہے۔

عیدالاضحیٰ کا تہوار بھی صدقہ وخیرات کا بڑا موقع فراہم کرتا ہے۔ اس دن ایک جانور کی قربانی (جس کا ذکر آگے آئے گا) قوم کے غرباء کو اس تہوار کے منانے کے لئے صرف گوشت کی ضیافت ہی مہیا نہیں کرتی، بلکہ اگر قربانی کے جانوروں کی کھالوں سے فائدہ اٹھایا جائے، تو اس سے غرباء کی حالت کو سدھارنے یا قوم کی بھلائی کے کاموں کے لئے قومی فنڈ بہت مضبوط ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں جن مقامات میں قربانی کا گوشت آبادی کی ضرورت سے زیادہ ہو جائے، اسے خشک کر کے فروخت کیا جاسکتا ہے اور جو آمد اس طرح سے حاصل ہو اُسے رفاہ عامہ کے کاموں میں لگایا جاسکتا ہے۔ اسلام انسان کے قدرتی ذرائع کو ضائع کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور اس نے اپنے تمام صدقات وخیرات کو ایسے طریق پر منظم کیا ہے کہ وہ بہترین مصرف میں لگائے جاسکتے ہیں۔

علاوہ ان صدقات کے، جو عیدین کے لئے فرض قرار دیئے گئے ہیں، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید کے خطبہ میں لوگوں کو قومی امور کے لئے، جو کچھ وہ بطیّب خاطر دے سکیں، دینے کی نصیحت فرمایا کرتے تھے اور ایسے موقعوں پر مستورات کی طرف سے زیورات دیئے جانے کا ذکر حدیث میں آتا ہے۔ اگر حضرت نبی کریمؐ کے ارشادات گرامی کی صدق دل سے تعمیل کی جائے تو اسلام کے عیدین کے دو تہوار قومی فنڈز کو مضبوط بنانے اور غرباء کی امداد کے لئے نہایت موزوں مواقع ہیں۔

قربانی

عیدالاضحیٰ کے موقع پر ہر ایک مسلمان، جس کو مقدرت ہو، ایک جانور کی قربانی کرتا ہے۔ ایک بکری یا بھیڑ کی صورت میں ایک گھر کے کنبہ کے لئے ایک جانور کفایت کرتا ہے۔ ایک گائے یا ایک اونٹ کے ذبیحہ میں سات آدمی شریک ہو

سکتے ہیں۔قربانی نمازعید کے بعد کی جاتی ہے۔قربانی یا تو عید کے دن یا اس کے بعد دو یا تین دن کے اندر کی جاسکتی ہے۔ان دنوں کو ایام التشریق کہا جاتا ہے اور یہ وہ دن ہوتے ہیں جب حاجی منیٰ میں قیام کرتے ہیں مگر دو دن کی میعاد زیادہ قابل ترجیح ہے۔کیونکہ حاجیوں کو دو دن کے بعد جانے کی اجازت ہے۔قرآن مجید میں ہے:

''پھر جو کوئی جلدی کر کے دو دن میں چلا جائے اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو کوئی پیچھے رہے اس پر (بھی) کوئی گناہ نہیں''۔(البقرۃ2:203)

قربانی کا جانور اچھا پلا ہوا پوری عمر کا (مُسِنَّۃٌ) اور جسمانی عیب سے پاک صاف ہونا چاہیے۔بکری یا بھیڑ ایک سال کی، گائے دو سال کی اور اونٹ پانچ سال کا ہونا چاہیے۔(الھدایہ باب الاضحیہ)۔قربانی کے گوشت کے متعلق قرآن مجید کا فرمان ہے:

تو ان سے کھاؤ اور سوال کرنے والے اور نہ سوال کرنے والے کو کھلاؤ۔(الحج22:36)

اس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ گوشت خشک کر کے فروخت کیا جائے اور اس کی آمد غرباء پر صرف کیا جائے۔یہ خیال، کہ قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ مدت تک ذخیرہ نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی تین دن کے بعد کھانا چاہیے، حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے خلاف ہے، جو اس طرح سے بیان کی جاتی ہے:

''جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں ہم لوگ اپنی قربانیوں کا گوشت منیٰ کے تین دنوں سے زیادہ نہیں کھایا کرتے تھے۔حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تین دن کے بعد بھی اس کو کھانے کی اجازت دی اور فرمایا اسے کھاؤ اور بطور زادراہ بھی لے لو۔اس پر ہم نے خود بھی کھایا اور اسے زادراہ بھی بنایا''۔

ایک تہائی یا زیادہ یا کم غرباء کو دینا صرف اختیاری امر ہے۔اس کے متعلق کوئی سخت قواعد وضوابط مقرر نہیں کئے گئے مگر قربانی کی کھال بھی خیرات میں دی جانی چاہیے۔

کیا قربانی کی بجائے صدقہ دیا جاسکتا ہے؟

ایک عام ذُہن یہی خیال کرسکتا ہے کہ قربانی کا مقصد خیرات وصدقہ سے زائد کچھ نہیں۔اور اکثر اوقات یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کیا ایک مسلمان بجائے ایک جانور کی قربانی کے، اس کی قیمت صدقہ میں نہیں دے سکتا؟ اس کا جواب شریعت کی روشنی میں نفی میں ہوگا۔عیدالاضحیٰ کی تقریب سعید پر مسلمانان عالم کا قربانی کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں اور مرکز اسلام مکہ مکرمہ کے بے نظیر اجتماع میں جمع ہونے والوں کے قلوب ایک ہی جذبہ سے سرشار اور ایک ہی رنگ میں رنگین نظر آئیں۔اس دن ہزاروں لاکھوں انسان زندگی کے تمام عیش وآرام ترک کر کے دنیا کے مختلف حصوں سے ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔جن کا مطمع نظر صرف قربانی کے جذبہ کو پروان چڑھانا ہوتا ہے۔یہ ایسی بے نظیر قربانی ہے جس میں نفس کا ذرّہ بھر شائبہ نہیں۔کیونکہ اس میں کوئی ذاتی منفعت، حتیٰ کہ کوئی قومی غرض بھی مدنظر نہیں، بلکہ یہ خالصتاً اللہ کی رضا کے لئے ہے۔اگرچہ فی نفسہٖ یہ ایک بہت بڑا اقدام ہے۔لیکن اس کی عظمت کو یہ امر اور بھی چار چاند لگا دیتا ہے کہ جو لوگ حقیقتاً اس عدیم النظیر قربانی میں حصہ لینے سے معذور رہے ان کے دل میں بھی وہی تڑپ موجود ہو، اور ایک جانور کی قربانی کے ظاہری فعل سے، جو حج کا آخری رکن ہے وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ بھی اس عظیم الشان قربانی کے لئے ہمہ تن حاضر ہیں۔ایک ہی جذبہ تمام عالم اسلام کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک ہی وقت میں حرکت میں لے آتا ہے۔اور یہ صرف قربانی کے نظام کا نتیجہ ہے جس کے سرخ حروف خواندہ اور ناخواندہ سب یکساں طور پر پڑھ سکتے ہیں یہ امر کہ اس نظام سے خیرات کا مقصد بھی پورا ہونا چاہیے ایک الگ چیز ہے۔اسلام ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ امراء تہوار کی خوشی کے موقع پر اپنے غریب بھائیوں کو بھول جائیں۔لیکن حج یا عید کے موقع پر قربانی کا اصل مقصد صدقہ یا خیرات نہیں ہے، اس لئے کوئی صدقہ یا خیرات قربانی کا قائم مقام نہیں ہوسکتا۔

قربانی کی تہہ میں کیا مقصد مدنظر ہے

یہ امر کہ قربانی ایک جانور کا خون گرانے یا اس کا گوشت کھا لینے کا نام نہیں ہے، قرآن مجید میں بصراحت واضح ہوتا ہے۔فرمایا:

''نہ ان کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں اور نہ ان کے خون، لیکن اسے تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے''۔(الحج22:37)

ایک دوسری آیت میں قربانی کے اصل مقصد کو زیادہ واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

''اور ہر قوم کے لئے ہم نے قربانی مقرر کی ہے تا کہ اللہ کا نام اس پر یاد کریں جو اس نے انہیں چار پائے جانوروں سے دیئے ہیں۔ پس تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ سو اسی کے فرمانبردار ہو جاؤ اور عاجزی اختیار کرنے والوں کو خوشخبری دے۔ وہ کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل خوف محسوس کرتے ہیں اور اس پر صبر کرنے والے جو انہیں (تکلیف) پہنچتی ہے''۔
(الحج 22:34-35)

اس لئے قربانی کا عمل تقویٰ، اطاعت لامر اللہ، مشیّت الٰہی اور صبر و توکل سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ انسان پر ایسا اثر ڈالتا ہے کہ اس کا دل اللہ کے نام پر کانپ اٹھتا ہے۔ اس میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ اللہ کے نام میں صرف خالی لفظ ہی کا اظہار مقصود نہیں بلکہ اس کی تہہ میں یہ امر مضمر ہے کہ اس کا نام آتے ہی دل کانپ اٹھیں۔ ایک جانور کی جان لینا اور اس کا خون بہانا انسان میں بہیمیّت پیدا نہیں کرتا بلکہ بجائے قساوت قلبی کے انسان کے دل میں خشوع و خضوع کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ یہ کیوں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ قربانی کرنے والا اس بات کو خوب محسوس کرتا ہے کہ اگر اس نے ایک جانور کو، جس پر اس کو ملکیت حاصل ہے، ذبح کیا ہے تو اس کا بھی فرض ہے کہ اپنی جان اللہ کے رستہ میں قربان کرنے سے دریغ نہ کرے، جو نہ صرف اس کا مالک اور آقا ہے، بلکہ اس کا خالق اور رازق بھی ہے۔ اور اس کو اس اختیار کی نسبت، جو انسان کو حیوان پر ہے، بدرجہا زیادہ اختیار اور اقتدار انسان پر حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن آیات میں قربانی کا ذکر آتا ہے، ان میں مومنین کو یہ نصیحت کی گئی ہے کہ جو مصائب و آرام انسان کو خدا کے رستہ میں پیش آئیں وہ ان میں صابر و شاکر رہیں اور انہیں بطیّب خاطر برداشت کریں۔ اس طرح سے قرآن مجید جانوروں کی قربانی میں اپنے ماننے والوں کو یہ سبق دیتا ہے کہ وہ صداقت کے لئے اپنی جانیں قربان کرنے سے دریغ نہ کریں اور اس سبق کی مزید وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ اس رکوع کے، جس میں قربانی کا ذکر آتا ہے اور جس کی آیات اوپر درج کی گئی ہیں، معاً بعد دوسرا رکوع آتا ہے جس میں مومنین کو حفاظت و حمایت صداقت کے لئے جانیں دینے کا حکم ہے۔ اس میں سب سے پہلی آیت ہے:

''ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن سے لڑائی کی جاتی ہے اس لئے کہ ان پر ظلم کیا گیا'' (الحج 22:39)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے قربانی کے اصول کو ایک نئے معنے دیئے ہیں۔ قربانی کے اصول کو تمام دنیا نے ایک نہ ایک رنگ میں تسلیم کیا ہے۔ تمام دوسرے مذہبی اصولوں کی طرح، جو تمام دنیا میں مسلم ہیں، قربانی کا اصول بھی اسلام میں زیادہ گہرے معنے رکھتا ہے۔ ظاہری فعل تو وہی ہے جو قدیم زمانہ میں رائج تھا مگر اس کا مفہوم وہ نہیں جو بعض قدیم مذاہب میں سمجھا جاتا تھا۔ یعنی کسی ناراض دیوتا کا خوش کرنا یا کسی گناہ کا کفارہ۔ اسلام میں قربانی کرنے والے کی اپنی قربانی کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یہ اس کی اپنی جان قربان کرنے کے لئے مستعدی ظاہر کرنے اور اپنے مفاد اور اپنی آرزوؤں کو آستانہ صداقت پر قربان کر دینے کی ظاہری علامت ہے۔

حیوان جو ذبح کیا جاتا ہے وہ دراصل انسان کی حیوانیت کا قائم مقام ہے۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ حیوان کی یہ ظاہری قربانی، انسان کے اندر جو حیوانی حصہ ہے۔ اس کو قربان کرنے کی ضرورت کی طرف توجہ دلاتی ہے۔ اور اس کے لئے ایک دن اور اس دن کا ایک خاص وقت معین کر دیا گیا ہے تا کہ دنیا کے اس سرے سے اُس سرے تک تمام مسلمان کے قلوب میں ایک ہی وقت میں ایک ہی جذبہ کام کرتا نظر آئے اور اس طرح سے ساری قوم میں مجموعی طور پر نفس کی قربانی کا یہ حسین جذبہ باحسن وجوہ پروان چڑھ سکے۔

(انتخاب از: ''دین اسلام'' ص465، 472)

علم جسمانی اور روحانی ترقی کی کنجی ہے

خطبہ جمعہ، مورخہ 07 مئی 2010ء بمقام جامع دارالسلام لاہور

ناصر احمد صاحب (بی۔اے ایل ایل بی)

''اپنے رب کے نام کے ساتھ پڑھ جس نے پیدا کیا۔ پیدا کیا انسان کو تعلق پکڑنے سے۔ تُو پڑھ اور تیرا رب سب سے بڑھ کر عزت والا ہے۔ وہ جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔ انسان کو وہ علم سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔'' (96:1-5)

علم کی فضیلت

اس سورت میں پہلا لفظ اقــرا یعنی پڑھ کا لفظ کافی غور طلب ہے۔ اللہ نے اس پہلی وحی میں پہلا لفظ ہی پڑھنے کے متعلق کہا اور پھر اس کو تیسری آیت میں انسان کی عظمت سے جوڑا ہے۔ گویا علم جو پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے وہ سب سے اہم ذریعہ ہے جو انسان کو نہ صرف اچھے اور برے کی تمیز کرنا سکھاتا ہے بلکہ اس کو عظمت کی بلندیوں تک پہنچاتا ہے۔ اور اس علم کو حاصل کرنے کی قوت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ میں فرشتوں کو انسان کے آگے سجدہ کرنے کی ہدایت کی۔ جیسے فرمایا:

''اور آدم کو سب کے نام سکھائے۔ پھر اُن چیزوں کو فرشتوں کے سامنے کیا۔ اور کہا: مجھے ان کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو۔ انہوں نے کہا تُو پاک ہے ہمیں کوئی علم نہیں مگر وہی جو تو نے ہمیں سکھایا۔ بے شک تو علم والا اور حکمت والا ہے۔'' (۳۲:۲)

اب دیکھا جائے تو اس پہلی وحی میں کوئی احکام نہیں۔ اگر ہدایت ہے تو یہ کہ پڑھ اور انسان کی تخلیق پر غور کر۔ ایک رنگ میں علم کو پڑھنا ہی انسان کی تخلیق کا بنیادی فریضہ قرار دیا گیا ہے اور اس طرح اللہ کی عبودیت اور علم کے ذریعہ انسان اللہ تعالیٰ کے اس مقصد کو پورا کرسکتا ہے جس کے لئے اس نے انسان کو پیدا کیا۔

انہی باتوں کی مزید وضاحت لفظ عــلــق کے ذریعہ کی گئی ہے۔ پڑھنے سے ضروری نہیں کہ انسان ایک عالم بن جائے۔ لیکن اس کا ذہن مشاہدہ اور سوچنے کی صلاحیت ضرور حاصل کر لیتا ہے اور ایسے کئی سوالات اور خیالات جو انسان کے ذہن میں اٹھتے رہتے ہیں بعض اوقات انسانی سوچ خود ہی ان کے جواب تلاش کر لیتی ہے۔ علق تعلق پکڑنے کو کہتے ہیں۔ آج سائنس نے بتایا ہے کہ مرد و عورت کا مرکب نطفہ جب رحمِ مادر میں قرار پکڑتا ہے تو سب سے پہلے وہ رحم کو چھیدتا اور اس سے تعلق پکڑ کر لٹک جاتا ہے اسے علقہ کہتے ہیں اور اس تعلق پکڑنے کو علق کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے انسان اپنی گذشتہ پیدائش پر جو فقط تیرے جسم یا حیوانیت کی پیدائش ہے اس پر غور کر کہ مرد و عورت کے مرکب نطفہ نے جب رحم سے تعلق پکڑا تو ماں کے رحم کی ربوبیت سے اس کی وہ نشوونما ہوئی کہ ایک خوبصورت مکمل انسانی جسم تیار ہوگیا۔ یہ تو ماں کے رحم سے تعلق پکڑنے کا نتیجہ تھا۔ حالانکہ ماں تیرے رب کی صفت ربوبیت کا ایک ادنیٰ سا مظہر ہے۔ تو اگر اپنے حقیقی رب کے ساتھ تعلق پکڑے گا تو تیری روحانیت یا دوسرے لفظوں میں تیری انسانیت کا نشوونما اس کمال کے ساتھ ہوگا کہ تو اکرم ہو جائے گا۔ یعنی تمام مخلوق پر اپنی بزرگی اور شرف سے سبقت لے جائے گا اور تیرا احسن تـقـویـم پر ہونا یعنی سب سے بہترین صورت میں ہونا ہر کس و ناکس کو نظر آجائے گا۔ یہی مطلب حضرت نبی کریم صلعم کے ارشاد کا تھا کہ اللہ کا رَحم اور ماں کا رِحم نہ صرف تلفظ اور شکل میں بلکہ اپنے فیضان میں بھی مشابہ ہیں۔ جس طرح ماں کے رحم سے تعلق پکڑ کر ایک خفیہ نطفہ کیسا خوبصورت انسان بن کر نکلتا ہے اور دنیا میں ودیعت کردہ صلاحیتوں سے کیسے کیسے کارہائے نمایاں کر کے دکھاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے رحم سے تعلق پکڑ کر ایک حقیر انسان انسانیت کے تمام کمالات کو حاصل کر کے اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی کا وارث ہو جاتا ہے۔

مغرب میں اسلام کے بارے میں نئی سوچ

آج کا میرا خطبہ زیادہ تر رسالوں سے تراشے اور مغربی مصنفین کی کتب کے حوالوں پر مشتمل ہوگا۔ میرا مقصد یہ ہے کہ مغرب میں آج کل اسلام کے بارے

میں کیا اعتراضات اور کیا نئی سوچ پیدا ہو رہی ہے اس سے آپ لوگوں کو روشناس کراؤں ۔تحریک احمدیت اور خاص طور پر انجمن احمدیہ لاہور نے مغرب میں تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں مغربی مصنفین اور ناقدین کی کتب کا مطالعہ کیا اور اس کے جواب پر خصوصی توجہ دی اور مغرب میں ترجمۃ القرآن، کتب اور تبلیغ کے ذریعہ اسلام کے بارے میں سوچ میں تبدیلی پیدا کی جس کا خود عیسائی مذہبی اور علمی حلقے معترف ہیں۔لیکن مجھے اب ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے علم کلام اور طرز فکر نے جس بالغ النظری اور اجتہادی طرز فکر پیدا کر کے مغرب میں اسلام کے خلاف اعتراضات کا مسکت جواب دیا تھا اور روشن خیالی کی روش کو ترقی دی تھی خود اس کے ماننے والوں میں تقلید کا عنصر غالب آتا جا رہا ہے اور جماعت ربوہ تو بالکل تقلید کا شکار ہو کر تحریک احمدیہ کے بنیادی نقطہ نظر سے ہی دور ہو رہی ہے۔ہم نے بھی مغربی لٹریچر کے مطالعہ کی طرف بے توجہی کا رویہ اختیار کیا ہوا ہے۔

میں اپنی گذشتہ تقریروں میں مغربی مصنفین اور مفکرین کے اسلام اور مسلمانوں کے متعلق خیالات اور غلط تصورات کا ذکر کرتا رہا ہوں۔اسی سلسلہ میں آج میں ایک نومسلم خاتون سارہ جوزف جو لندن کے ایک معروف رسالہ ماہانہ "EMEL" کی ایڈیٹر ہیں۔روزہ کے متعلق ان کے خیالات اور انگلستان کے شہزادہ چارلس کی تقریر کے بارے میں اس خاتون کے تبصرے کا ذکر کروں گا۔

وہ ایک ادارتی نوٹ میں جس کا عنوان ہے،''سہولت کے زمانہ میں ماہ رمضان کے روزے'' میں لکھتی ہیں:

''میں سینٹ جیمز محل میں 33 ویں ڈمبلے لیکچر میں شرکت کے لئے گئی جہاں شہزاد چارلس، پرنس آف ویلز نے ''ہمیں کیسے مستقبل کا سامنا ہے'(Facing the Future) کے موضوع پر تقریر کرنا تھی۔تقریر واقعی روح اور ذہن کو روشن کرنے والی تھی جس میں ایک مستحکم اور امید افزا مستقبل کا فلسفیانہ تخیل پیش کیا گیا۔تقریر میں سب کو اس طرف توجہ دلائی گئی کہ ہم اپنے اندر جھانک کر دیکھیں کہ ہم دنیا کو کس نظر سے دیکھ رہے ہیں اور ہم اس کے بارے میں اپنا فرض کس حد تک نباہ رہے ہیں۔

ماہ رمضان شروع ہو رہا ہے یہ ایک ایسا مہینہ ہے جس میں ہم اپنے نفس کا خود محاسبہ کرتے ہیں اور اس کی ذہنی اور اخلاقی تربیت کرتے ہیں ۔ یہ ایک ایسا مناسب وقت ہوتا ہے کہ ہم اپنی ذاتی زندگی کے سفر پر غور کریں اور سوچیں کہ ہم اس کرہ ارض کو جو ہماری زندگی کی بقا کا باعث ہے اس کو کس طرح استعمال کر رہے ہیں۔

شہزادہ چارلس نے کہا: ہم ایک تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کے دھارے پر کھڑے ہیں جہاں ہمیں دو قسم کے مسائل کا سامنا ہے: ایک زندگی گذارنے کے لئے دنیاوی تگ و دو کا نیا انداز اور دوسرا ایک ایسا معاشی نظام جس میں بہت سی کمزوریاں ہیں ۔شہزادہ چارلس نے بڑے جذباتی انداز میں باہم اتحاد اور سماجی ہم آہنگی کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔انہوں نے کافی تفصیل سے اس خطرناک توڑ پھوڑ کا ذکر کیا جس کی وجہ سے زمین کے وسائل تیزی سے ختم ہو رہے ہیں ۔لیکن ہمارے پیش نظر صرف ایک ہی مقصد ہے کہ ہم سہولت سے بھرپور زندگی گذار سکیں۔انہوں نے کافی دلیری سے اس گھمبیر خطرہ کی طرف توجہ دلانے کی کوشش کی کہ ہمارے معاشرے میں زندگی کو خوشنما اور آرام دہ بنانے کے لئے اشیاء بنانے اور ان کو خریدنے کے لئے ہم زمین کو بڑے پیمانے پر نقصان پہنچا رہے ہیں گو کہ ہم اس کو موجودہ زندگی کی کامیابی سمجھ رہے ہیں ۔لیکن ہمیں اس حقیقت کو ماننا پڑے گا کہ زمین ہماری اس روش کو زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکے گی۔

سارہ جوزف شہزادہ چارلس کی تقریر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

''بظاہر یہ تقریر دنیاوی ترقی پر ایک حملہ تھا۔حالانکہ اس میں یہ نہیں کہا گیا کہ ہم واپس اس زمانہ میں لوٹ جائیں اور گھوڑوں اور بیل گاڑیوں میں سفر کریں اور اپنے گھروں میں روشنی کے لئے موم بتیاں جلائیں۔بلکہ تقریر میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ہمیں اپنی زندگی کے لئے کھانے پینے اور دیگر سہولتوں کے لئے بے لگام خرید و فروخت پر قیود لگانی چاہئیں۔ہم بلا سوچے سمجھے زمین کے ختم ہونے والے ذرائع کو جس طرح چاہیں بے دریغ استعمال نہ کریں اور مستقبل کا بالکل کچھ خیال نہ کریں۔شہزادہ چارلس نے اس بات کو بھی تسلیم کیا کہ ہمارے تمدن میں قیود کے لفظ کے خلاف ایک مستقل بغاوت کا رویہ رواج پا گیا ہے۔

سارہ جوزف لکھتی ہیں:''دین قیود کے احکام بتاتا ہے۔ان پابندیوں کو اکثر لوگ برا بھلا کہتے ہیں ۔ بے لگام آزادی کے لئے ہماری خواہشات اتنی انتہاء کو پہنچ

گئی ہیں کہ جب بھی کوئی کوشش کی جاتی ہے کہ حدود کو قائم کیا جائے۔ اس کوشش کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور اس کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کی جاتی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حدود نہایت ضروری ہیں۔ خواہ ان کا تعلق ذاتی، سماجی یا ماحولیاتی معاملات سے ہو۔ جب ہمارے وسائل محدود ہیں تو حدود مقرر کرنا لازمی ہو جاتا ہے

اپنے ادارتی نوٹ کے آخر پر سارہ جوزف صاحبہ فرماتی ہیں ''وقت آ گیا ہے کہ اقدار کے نئے قوانین بنائے جائیں اور میں بڑے جذبہ سے اس بات پر یقین رکھتی ہوں کہ اسلام اس بارے میں اپنا کردار ادا کر سکتا ہے۔ اتحاد کا تصور (جس کی شہزادہ چارلس نے اپنی تقریر کے شروع میں ذکر کیا ہے) وہ اسلام کا تصور توحید ہے وہ باہم اتحاد کے لئے اولین شرط ہے اور اسلامی نقطہ نگاہ سے یہ مرکزی حیثیت رکھتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح توازن یا نیکی کی جزا اور بدی کی سزا جس کو قرآن مجید میزان کہتا ہے۔ انسان کا زمین پر نگران یا خلیفہ ہونا اس کا انسانیت کا قیام اولین فرض بن جاتا ہے۔ اسلامی معاشی نظام سے اسلامی نظریہ ماحولیات تک تمام مسائل کے بارے میں یہ بہت ضروری ہے کہ دنیا کے بارے میں نئے انداز سے سوچا جائے اور اس پہلو سے اسلامی نظریات کافی جاندار ہیں۔ وہ لوگ جو اسلام پر ایمان رکھتے ہیں ان کو دنیا کے بارے میں اسلامی نظریہ کے مطابق زندگی گذارنے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ اور اس کے لئے ان کو روشنی اور رہنمائی کا کام دینا ہوگا۔

ماہ رمضان جس کا بنیادی مقصد ہی خدا خوفی کو دلوں میں پیدا کرنا ہے ہمیں حدود کی ضرورت کے بارے میں شعور پیدا کرتا ہے۔ اس مہینہ میں ہم اپنے نفس کو روکتے، اس کی تربیت کرتے، خیرات کرتے اور لوگوں کو معاف کرتے، نئے ارادے باندھتے اور اپنے قویٰ کو نیکی کرنے کے لئے نئے سرے سے مضبوط کرتے ہیں۔ ہمیں اس وقت کو اس عظیم مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہیے کہ ہم دنیا میں ہر لحاظ سے توازن پیدا کرنے کے لئے کیا کچھ کر سکتے ہیں۔

علم کا حصول اور تحقیق کی اہمیت

اب میں دین اسلام کے بارے میں علم حاصل کرنے اور تحقیق کی طرف آتا ہوں کیونکہ تحریک احمدیت کا بنیادی مقصد ہی قلم سے جہاد کے ذریعہ اسلام کی اشاعت اور دفاع ہے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے قرآن مجید کی اس ابدی صداقت کو اس دور میں کمال خوبی سے ثابت کیا جس کا ذکر ذیل کی آیت میں یوں بیان ہوا ہے:

''وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس کو کل دینوں پر غالب کرے۔ گو مشرک براہی مانیں'' (۹:۳۳)

اسلام اور عیسائیت اور کافی حد تک ہندومت پر بحث اور اسلام کے حق میں دلائل تو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنی متعدد کتب میں دیئے ہیں۔ اور چونکہ مغربی مفکرین کا تعلق زیادہ تر عیسائیت سے تھا اور ہے اس لئے اس بارے میں تحریک احمدیہ لاہور کی کتب اولیت اور ایک ممتاز مقام رکھتی ہیں۔ لیکن سکھازم کے متعلق حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے 1895 کے لگ بھگ ''ست بچن'' تصنیف فرمائی۔ حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب نے مجدد اعظم جلد اول میں صفحات ۴۲۲، ۴۲۳ پر اس کتاب کا تعارف اور خلاصہ یوں بیان کیا ہے:

بابا نانک صاحب کی اسلام پر مختلف شہادتیں

''حضرت اقدس مرزا صاحب چونکہ اسلام کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کر کے دکھانے کے لئے مامور تھے اس لیے ہمہ وقت آپ کی نظر غیر مذاہب کی کتب اور لٹریچر پر رہتی تھی۔ آپ کو سکھوں کی مختلف جنم ساکھیوں اور سکھوں کے متعلق دیگر کتب سے یہ صاف پتہ لگتا تھا کہ بابا نانک صاحب مسلمان تھے۔ چنانچہ بابا صاحب کا حضرت باوا فرید شکر گنج علیہ الرحمتہ کی خدمت میں رہ کر فیض پانا بلکہ آپ کی بیعت بھی کرنا اور مختلف سفروں میں ان کے ساتھ ساتھ رہنا اور سلطان پور میں نواب دولت خاں اور وہاں کے قاضی صاحب کے ساتھ نماز پڑھنا، اور بابا صاحب کا سفر کی تکلیف شاقہ اٹھا کر مکہ معظّمہ حج کے لئے جانا، پھر باوا صاحب کے اقوال سے یہ ثابت ہونا کہ وہ درود شریف پڑھنے کے بغیر کسی برکت کے ملنے کے قائل ہی نہ تھے اور ان کے بہت سے اشعار کا ٹھیک قرآنی آیات کا مفہوم اپنے اندر رکھنا۔ پھر ایک شعر میں نماز جنازہ اور اس کی تکبروں کا ذکر کر کے موت کے وقت اپنی بےبسی کا ذکر کرنا اور باوا صاحب کی وفات پر حنفی مسلمانوں کا ان کا نماز جنازہ پڑھنا اور جس حالت میں کہ حنفیوں کے ہاں نماز جنازہ غائبانہ ہو ہی نہیں سکتی۔ اس لیے ماننا پڑتا ہے کہ باوا صاحب کی نعش کسی طرح انہیں مل گئی تھی۔ ورنہ جب تک نعش موجود نہ ہوتی ہو جنازہ پڑھ نہ سکتے تھے۔ اور بجائے نعش کے چادر دفن کرنا

خلاف اسلام ہے۔ چادر ملتی تو وہ بطور تبرک کے رکھ لیتے نہ کہ دفن کر کے اسے ناپید کر دیتے۔ پس مسلمانوں کا ان کا جنازہ پڑھنا ظاہر کرتا ہے کہ وہ مسلمان تھے ورنہ اگر وہ مسلمان نہ ہوتے تو مسلمان ہرگز ان کا جنازہ نہ پڑھتے کیونکہ مسلمانوں کی تو وہ قوم ہے کہ اگر کسی کے اسلام کی نسبت ذرا بھی شک پڑ جائے تو وہ اس کا جنازہ نہیں پڑھتے۔ پھر محققین یورپ کا بابا نانک صاحب کے اسلام پر شہادت دینا۔ مسٹر ہیوز کا انہیں باوا فرید کا مرید بتانا۔ پھر ''سیر المتاخرین'' جلد اول میں صفحہ ۱۰ پر ایک اور یورپین برگ صاحب کا یہ بیان موجود ہونا کہ بابا نانک صاحب نے اپنی ابتدائی عمر میں ایک شخص سید حسین صاحب سے اسلام کی بڑی بڑی تصنیفات پڑھی تھیں۔ اور ایک دوسرے یورپین ڈاکٹر ٹرپ کا اپنے ترجمہ گرنتھ نمبر الف میں صفحہ ۴۲ پر لکھنا کہ بابا نانک صاحب کا جنم ساکھی میں ایک یہ شعر ہے کہ قیامت کے دن صرف نیک کاموں والوں کی کوئی پرستش نہیں ہوگی۔ نجات وہی پائیں گے جن کی پناہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ پھر بابا نانک صاحب کا یہ قول گرنتھ صاحب میں ہونا کہ بغیر کلمہ پڑھے بخت بیدار مل نہیں سکتا اور بغیر درود پڑھنے کے آخرت کی برکات نہیں مل سکتیں۔ اور جنم ساکھی میں بابا صاحب کا یہ قول موجود ہونا کہ وہ لوگ لعنتی ہیں جو نماز نہیں پڑھتے۔ پھر بابا فرید صاحب اور بابا نانک صاحب جس گاؤں میں جاتے تو جس جگہ بیٹھتے ان کے اٹھ جانے کے بعد ہندوؤں کا اس جگہ کو پلید سمجھ کر وہاں گوبر لیپنا وغیرہ وغیرہ بہت سی شہادتیں ہیں جن سے ان کا مسلمان ہونا صاف نظر آتا ہے۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہؒ نے اس کتاب میں بابا نانک جی کی زندگی کے مختصر حالات اور ان کی تعلیمات پر تفصیل سے لکھا ہے اور چولا صاحب اور پوتھی صاحب کی بھی تفصیل دی ہے۔ اس موضوع پر مضامین اور ٹریکٹ تو دونوں جماعتوں کی طرف سے شائع ہوتے رہے لیکن قادیان سے ایک قابل ذکر کتاب ''باوا نانک کا مذہب'' مصنفہ شیخ محمد یوسف سابق سورن سنگھ ددوان، ایڈیٹر اخبار ''نور'' ہے جو 1914ء میں شائع ہوئی جس میں ان کی تعلیمات کے علاوہ ان کے سفروں اور مسلمانوں سے تعلقات کا تفصیلی ذکر ہے اور مسلمانوں کے خلاف بعض اعتراضات کے جواب بھی دیئے گئے ہیں۔ کافی عرصہ ہوا بابا گرونانک کے متعلق ایک کتاب شائع کردہ ثقافت اسلامیہ، لاہور بھی نظر سے گذری تھی۔ لیکن اس وقت میں ایک نہایت تحقیقی اور گرو صاحب کے روحانی کمالات پر ایک کتاب ''بابا نانک'' مصنفہ سید افضل حیدر، سینئر ایڈووکیٹ، سپریم کورٹ آف پاکستان میں سے گرو بابا نانک کے مکہ کی زیارت اور ان کی تعلیمات سے متعلق چند اقتباس پیش کرتا ہوں۔ جن کو سن کر ہر صاحب نظر اور صاحب بصیرت یہ محسوس کرے گا کہ جو بات علم اور تحقیق کی بنا پر بانی سلسلہ احمدیہ نے ایک صدی پیشتر 168 صفحات پر مشتمل کتاب میں پیش کی۔ اس پر بعض مسلمان محققین نے کس قدر مؤثر کام کر کے اس حقیقت کی تصدیق کی بلکہ تحقیق سے اس میں مزید اضافہ کیا ہے۔ مصنف نے کتاب کے آغاز میں ہی نانک جی کے کلام میں سے ایک شعر درج کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے ''اے نانک تجھے قبر بلا رہی ہے۔ تم کھانے پینے ہی میں مست نہ ہو جانا، پانچ وقت نماز گذارا اور قرآن جیسی کتاب پڑھ''۔

''بابا نانک'' کا مصنف ان کے سفر مکہ کے بارے میں لکھتا ہے:

چوتھی سیاحت

''آپ کی چوتھی سیاحت مغربی ممالک کی جانب بیان ہوتی ہے۔ روانگی کے وقت آپ نے نیلے رنگ کا لباس پہنا۔ ہاتھ میں عصا پکڑا، بغل میں کتاب دبائی اور دوش پر مصلہ اٹھایا۔ گویا بالکل اسلامی وضع قطع بنا کر چلے۔ یہ سیاحت پانچ برس پر مشتمل ہے۔ اس میں آپ کرتار پور سے روانہ ہو کر شرق پور، رہتاس اور ڈیرہ غازی خان وغیرہ ہوتے ہوئے براستہ سندھ عازمین حج کے ہمراہ مکہ پہنچے۔ مکہ، مدینہ، بغداد، یروشلم، دمشق، مصر، ترکی، ایران، قندھار اور افغانستان سے ہوتے ہوئے براستہ کابل اٹک دریا پار کر کے حسن ابدال (پنجہ صاحب) ہو کر 1521ء میں واپس کرتار پور آئے۔ بغداد میں بابا نانک کی یادگار بھی بیان ہوتی ہے۔ آپ کی ملاقات بہلول دانا سے بھی ہوئی تھی۔

مکہ کے واقعہ کو بھائی گورو داس نے پہلی وار کی 33ویں پوڑی میں بیان کیا ہے۔ مکہ کے حاجیوں اور قاضیوں نے یہ پہچان لیا تھا کہ آپ جنم سے ہندو ہیں۔ اس لئے ان کا بڑا سوال جس کا وہ جواب طلب کرتے تھے یہ تھا کہ ہندو دھرم اور مذہب اسلام دونوں میں سے کون سا مسلک بہتر اور اعلیٰ ہے۔ گرو صاحب کا جواب یہ تھا:

''بابا آکھے حاجیاں شبھ عملاں باجھوں دونویں روئی

ہندو مسلمان دوئے درگہ اندر لین نہ ڈھوئی (وار گورو داس جی)

ترجمہ: باباجی نے فرمایا: اے حاجیو اچھے اعمال کے بغیر دونوں روتے ہیں۔ ہندو اور مسلمان دونوں کا مالک کی درگاہ میں قبولیت نہیں۔ قبولیت تو صرف اعمال کی ہے۔

مغرب کی سیاحت میں آپ نے اسلامی نظریات و روایات کے پیش نظر لوگوں کو راہ راست کی پابندی کا درس دیا۔ آپ کی شاعری اور موسیقی نے شریعت پرستوں میں نیک اعمال کا جذبہ پیدا اور بیدار کیا۔

سفر میں توکّل کی کیفیت

ان سیاحتوں میں بابا نانک کو مختلف افراد اور گروہوں سے آمنا سامنا ہوا۔ ذیل میں ہم اس کی سرسری سی تفصیل پیش کررہے ہیں۔

جنگلوں بیابانوں سے گزرتے ہوئے نانک جی نے مردانا کے ساتھ پنجاب کے جنوب مغرب کی طرف کافی دور تک سفر کیا۔ لیکن کسی بھی جگہ پر آپ نے قیام نہ کیا۔ جب بھی راستے میں کوئی آبادی آتی تو آپ اسے چھوڑ کر آگے بڑھ جاتے۔ وہ جنگلی بیروں یا پھلوں سے اپنی بھوک مٹاتے۔ لیکن مردانا نے شکایت کی کہ نانک جی اس کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کررہے جیسا درویش لوگ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ گرونانک نے اسے سمجھایا کہ اگر کوئی شخص خدا کی طرف جانے والے راستہ کا اپنے لئے انتخاب کرتا ہے تو اسے مخلوق سے کسی خیرات کی توقع کرنے کی بجائے اپنے کھانے کی خود فکر کرنی چاہیے۔

لیکن مردانا کو اپنے راہبر کی دانائی اور حکمت پر کامل یقین نہ ہوا۔ ایک دن نانک جی نے مردانا کو ایک آبادی میں جانے کی اجازت دے دی۔ جب گاؤں میں یہ خبر پھیلی کہ ایک درویش وہاں آیا ہے تو وہاں کے تمام مرد اور عورتیں اس کے گرد اکٹھے ہوگئے اور اس سے دعاؤں کی درخواست کی۔ مردانا نے ان لوگوں کے لئے نہایت خلوص سے دعا کی۔ گاؤں والے اس کے لئے نہ صرف انواع و اقسام کے لذیذ کھانے لے کر آئے بلکہ انہوں نے اسے ریشمی، اونی اور سوتی کپڑوں کے ساتھ ساتھ طرح طرح کی خوشبوئیں بھی دیں۔ مردانا جلدی جلدی تمام چیزیں لے کر انتہائی خوشی کے ساتھ جنگل میں اپنے گرو کے پاس آگیا۔ جب نانک جی نے اپنے ساتھی کو اتنے سارے تحائف کے ساتھ دیکھا تو آپ مسکرائے اور پوچھا کہ ''تم نے میری حکم عدولی کیوں کی ہے؟'' مردانا نے مضطرب ہوکر کہا کہ ''وہ اپنے عقیدت مندوں کو مایوس نہیں کرسکتا تھا لہٰذا اسے یہ تمام تحائف قبول کرنے پڑے۔''

''نانک جی نے اسے کہا کہ یہ سب چیزیں پھینک دے۔ بادل نخواستہ مردانا کو ایسا کرنا پڑا۔ پھر مردانا نے نانک جی سے پوچھا: ''کیا ایسا ممکن نہیں ہے کہ آپ یہ چیزیں اپنے پاس آنے والے ضرورت مند لوگوں کو دے دیں۔ ایسا کرنے سے خدا بھی خوش ہوگا۔'' نانک جی نے جواب دیا: ''ہاں یہ درست ہے کہ بھوکے کو کھانا کھلانے اور بے لباس کا تن ڈھانپنے والے پر خدا رحم کرتا ہے۔ لیکن دینے والے پر لازم ہے کہ وہ اپنی جائز کمائی میں سے خیرات دے۔'' نانک جی نے مزید کہا کہ ''اور لینے والے کے لئے بھی ضروری ہے کہ صرف اپنی ضروریات کے مطابق ہی لے۔''

نانک جی کی ایک تمثیل اور ارشادات

پیشتر اس کے کہ میں گرونانک جی کا ریاکاری اور روحانی اندھاپن کے متعلق آپ کو ان کی تمثیل سناؤں۔ میں قرآن مجید کی سورت ماعون کی آخری دو آیتوں کا ذکر کرنا چاہوں گا۔ ترجمہ ''یعنی جو دکھاوا کرتے ہیں اور خیرات سے روکتے ہیں۔''

تمثیل کچھ یوں ہے:

''ایک اندھا شخص اپنے سر پر گٹھڑی اٹھائے پہاڑ پر چڑھتا ہے۔ وہ بہت دور تک عمودی چڑھائی چڑھتا ہے۔ لیکن بغیر بینائی کے وہ بلندیوں کی پیمائش کیسے کرسکتا ہے؟ اے نانک! ہماری ہوشیاری اور ہماری جھوٹ موٹ کی پارسائی کسی کام کی نہیں ہے۔ محض خدا کی محبت ہی میں ہماری نجات ہے اور اس کے باعث ہی ہم اپنے گناہوں کی زنجیروں سے رہائی پاتے ہیں۔''

بابا نانک جی کے کلمہ طیبہ کے متعلق کیا خیالات اور عمل تھا۔ اس بارے میں ''باوا نانک کا مذہب'' مصنفہ شیخ محمد یوسف سابق سورن سنگھ کی کتاب کا حوالہ دیتا ہوں۔ مصنف اس بارے میں لکھتا ہے:

''کلمہ شریف مسلمانوں میں ایمان کی روح مانا گیا ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت باوا صاحب کلمہ طیبہ کے متعلق کیا کہتے ہیں۔ جنم ساکھی کلاں یعنی بھائی والی جنم ساکھی۔ صفحہ ۳۲۰ پر حضرت باوا صاحب فرماتے ہیں:

کلمہ اک یاد کرا اور نہ بھا کھو بات

نفس ہوائی رکن دین تس سے ہوئیں مات

یعنی راہ ہدیٰ اور نجات ابدی کے حاصل کرنے کے لئے کلمہ طیبہ کا ہی بار بار ورد کرو۔ کیونکہ نفسانی خواہشات اس کلمہ سے ہی دور ہو سکتی ہیں''

حضرت عائشہؓ کا نکاح

ابھی میں نے انگلستان کی ایک نومسلمہ جو ایک اعلیٰ درجہ کے ماہوار رسالہ کی ایڈیٹر ہیں۔ان کے اداراتی نوٹ سے شہزادہ چارلس کے یہ الفاظ سنائے تھے ''کہ بے لگام آزادی کے لئے ہماری خواہش اتنی انتہا کو پہنچ گئی ہے کہ جب بھی کوئی ایسی کوشش کی جاتی ہے کہ حدود کو قائم کیا جائے تو ہر کوئی اس کا مذاق اڑاتا ہے۔''اسی طرح جنسی بے لگامی نے مغرب میں تمام حدود کو پار کر دیا ہے۔اور جنسی تسکین کے نت نئے طریقوں نے خطرناک صورت اختیار کر لی ہے اور اب یہ معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ معصوم بچوں اور بچیوں کو ہوس کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔مغربی معاشرہ میں والدین نے چیخ و پکار شروع کر دی ہے اور وہ قوم جو موت کی سزا کے سخت خلاف ہے اس نے بھی اب اس گھناونے جرم کے لئے موت کی سزا کا مطالبہ شروع کر دیا ہے۔

اسی طرح میں نے کیرن آرم سٹرانگ کی کتاب سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عریاں الزامات میں سے ایک الزام (نعوذ باللہ) ''بچوں کا شغل'' کا بھی ذکر کیا تھا اور اس کی بنا حضرت عائشہؓ کی 6 یا 7 سال کی کم سن عمر میں نکاح ہی ہوسکتا ہے۔احادیث، تفاسیر، تاریخ اور سیرت کی کتب میں برملا اس کو بیان کیا جاتا ہے۔کہ آپؐ کا نکاح 7 برس کی عمر میں اور رخصتی 9 برس کی عمر میں ہوئی تھی۔

کیرن آرم سٹرانگ نے بھی حضرت عائشہؓ کے کم سنی میں نکاح کو عرب میں اس وقت کے حالات میں جائز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔لیکن انہوں نے اس سلسلہ میں اعتراض کا اپنے رنگ میں ایک نہایت خوبصورت جواب دیا ہے۔اس سلسلہ میں وہ لکھتی ہیں:

''محمدؐ کی عائشہؓ سے سگائی کوئی غیر مناسب بات نہ تھی۔لڑکی کی غیر موجودگی میں ان وقتوں میں ایک بالغ مرد اور کم سن لڑکی کے مابین اکثر شادیاں انجام پاتی تھیں تاکہ دو مختلف قبائل میں اتحاد پیدا ہو جائے۔بلکہ بعض اوقات لڑکیوں کی عمریں عائشہؓ سے بھی کم ہوتی تھیں۔یہ رواج یورپ میں بھی جدید دور کے اوائل تک جاری تھا۔لیکن رخصتی کا عمل عائشہؓ کے بالغ ہونے سے پہلے کے سرانجام ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جبکہ ان کو دوسری لڑکیوں کی طرح رخصت کیا گیا ہوگا جیسے دوسری لڑکیوں کو کیا جاتا تھا۔محمدؐ کی اکثر شادیاں سیاسی مقاصد کے پیش نظر ہوئیں۔آپؐ نے ایک مختلف قسم کے قبائلی اتحاد کی بنیاد ڈالی جس کی بنا باہم رشتہ داری کی بجائے نظریاتی وحدت تھا۔لیکن پھر بھی خونی رشتہ داری کا زیادہ تقدس اور وقعت تھی جس نے اس تجرباتی قبیلہ کو آپس میں مضبوط کرنے میں مدد دی''۔(ص ۱۰۵)

گو کیرن آرم سٹرانگ نے رخصتی کے وقت حضرت عائشہؓ کو بالغ قرار دیا ہے لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ جس وقت حضرت عائشہؓ کے رشتہ کی بات شروع ہوئی وہ بالغ ہی تھیں اور ان کا نکاح ایک بالغ شخص سے ہو چکا تھا۔ان سب امور کی تفصیل اور حقائق کو سامنے لانے کے لئے میں جماعت کے ایک نہایت علم دوست اور محقق مضمون نگار اور مدیر ''روح اسلام'' جناب غلام نبی مسلم صاحب مرحوم کے کتابچہ ''رخصتی کے وقت حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی عمر'' سے چند اقتباس پیش کرتا ہوں (یہ پورا کتابچہ دو اقساط میں ''پیغام صلح'' کے مارچ اور اپریل 2010ء کے شماروں میں شائع ہو چکا ہے۔یہاں میں صرف تاریخی شواہد نقل کر رہا ہوں):

تاریخی شواہد

سب سے پہلے اس امر کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے کہ سید سلیمان ندویؒ کے الفاظ میں آنحضرت صلعم کو سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے شادی کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ ''خدیجہ ایسی رفیق و غم گسار بیوی کی وفات کے بعد آنحضرت صلعم بہت ملول رہا کرتے تھے۔بلکہ اسی تنہائی کے غم سے زندگی بھی دشوار ہو گئی تھی۔جان نثاروں کو اس کی بہت فکر تھی۔حضرت عثمان بن مظعون (المتوفی ۲ھ) ایک مشہور صحابی ہیں۔ان کی بیوی خولہ بنت حکیم آپؐ کے پاس آئیں اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! آپؐ دوسرا نکاح کر لیں۔آپؐ نے فرمایا کس سے؟ خولہ نے کہا بیوہ اور کنواری دونوں طرح کی لڑکیاں موجود ہیں جس کو آپ پسند فرمائیں۔اس کے متعلق گفتگو کی جائے۔فرمایا وہ کون ہیں؟ خولہ نے کہا بیوہ تو سودہ بنت زمعہ ہیں اور کنواری ابوبکرؓ کی بیٹی عائشہؓ۔ارشاد ہوا بہتر ہے تم اس کی نسبت گفتگو کرو'' (سیرت عائشہ،ص ۲۴)

سید سلیمان ندوی کی رائے میں سیدہ عائشہؓ سے آنحضرت صلعم کی شادی کا بڑا

سبب غم، تنہائی اور غم گسار رفیقہ کی جدائی تھا۔ اس کی دو دیگر وجوہ بھی تھیں۔ ایک تو گھریلو مصروفیت بڑھ جانے کی وجہ سے آپؐ کے مقصد رسالت کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہو گئی تھی۔ علاوہ ازیں گھر میں دو کم عمر صاحبزادیاں سیدہ فاطمہ اور سیدہ ام کلثوم تھیں جن کی دیکھ بھال کے لئے خاتون خانہ کی ضرورت تھی۔ ان حالات کا تقاضا تھا کہ آپ کسی ذہین، بالغ، سلیقہ اور امور خانہ داری سے واقف عورت کو رفیقہ حیات بناتے۔ کسی چھ سالہ کمسن۔ ناپختہ لڑکی سے نکاح آپ کے گھریلو تقاضوں کی تکمیل نہیں کرسکتا تھا۔ ایک چھ سالہ لڑکی نہ تو غم گساری کرسکتی تھی نہ گھر کے کاروبار اور بچیوں کو سنبھال سکتی تھی بلکہ کم عمری کی وجہ سے آپ کی مشکلات میں اضافہ کا موجب ہی ہوسکتی تھی۔ ایسے حالات میں آنحضرت صلعم نہ عائشہؓ سے شادی کا تصور کر سکتے تھے اور نہ ہی خولہ ایسی تجربہ کار، سنجیدہ اور عقلمند خاتون آپ کو ایسی شادی کا مشورہ دے سکتی تھی۔

یہ بھی پیش نظر رہے کہ جب حضرت خولہ نے آنحضرتؐ کے سامنے سیدہ عائشہؓ کے رشتے کی تجویز پیش کی تو کسی روایت میں یہ ذکر نہیں ملتا کہ آنحضرتؐ نے سیدہ عائشہؓ کی کم عمری کا ذکر کر کے اس رشتے سے انکار کیا ہو۔ کہ وہ میری گھریلو ذمہ داریوں کو کیسے سنبھالے گی۔ بلکہ بلا تامل رضامندی کا اظہار کر دیا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہؓ اپنی عمر کے لحاظ سے بالغ ہو چکی تھیں اور آنحضرت صلعم کی نظر میں آپؓ گھر سنبھالنے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ اسی طرح جب حضرت خولہ نے حضرت ابوبکرؓ سے آنحضرت صلعم کے لئے سیدہ عائشہؓ کا رشتہ طلب کیا تو انہوں نے ہرگز یہ عذر نہ کیا کہ عائشہؓ ابھی کمسن اور نابالغ ہے۔ وہ آنحضرتؐ کی عائلی ذمہ داریاں پوری نہ کر سکے گی۔ اس کے برعکس سیدہ عائشہؓ کی عمر اتنی زیادہ تھی کہ اس سے قبل حضرت ابوبکرؓ نے سیدہ عائشہؓ کی سگائی جبیر بن مطعم کے لڑکے سے کر رکھی تھی اور آنحضرت صلعم کا پیغام پہنچنے پر یہ نسبت منقطع کر کے سیدہ عائشہؓ کا نکاح حضور اکرمؐ سے کر دیا۔ کیا یہ سب کچھ ایک چھ سالہ گڑیاں کھیلنے والی لڑکی کے بارے میں ممکن ہوسکتا تھا۔ یا سیدہ عائشہؓ اس وقت بالغ اور باشعور تھیں۔

اس بات کو سب تسلیم کرتے ہیں کہ مکہ کی زندگی میں معراج اور ہجرت نبوت کے جو تفصیلی حالات سیدہ عائشہؓ نے بیان کیے ہیں وہ کسی دوسرے صحابی کی روایت میں نہیں ملتے اور اس تفصیل کی توقع کسی ایسی لڑکی سے کرنا بحث ہے جس کی اپنی عمر ہجرت کے وقت آٹھ سال بیان کی جاتی ہے۔ اس امر سے بھی واضح ہے کہ ہجرت کے وقت آپؓ سترہ اٹھارہ سال کی بالغ نظر جوان لڑکی تھیں۔ جس کا شعور، قوت شاہد، حافظہ اور ادراک حالات پختہ ہو چکے تھے۔

سیدنا ابوبکرؓ کی تیمارداری

مدینہ پہنچ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ شدید علیل ہو گئے۔ تو سیدہ عائشہؓ کی والدہ محترمہ اور بڑی بہن حضرت اسماءؓ کے ہوتے ہوئے بھی والد کی تیمارداری آپؓ کے سپرد ہوئی۔ سیدہ عائشہؓ ہی روایت کرتی ہیں کہ جب آپ والد محترم سے خیریت دریافت کرتیں تو وہ یہ شعر پڑھتے:

کل امرء مصبح فی اھلہ والموت ادنیٰ من شراک نعلہٖ

اگر ہجرت کے پہلے سال حضرت عائشہ کی عمر آٹھ سال تھی اور اگلے سال رخصتی کے وقت آپ ۹ سال کی تھیں تو پھر بڑوں کے ہوتے ہوئے آپ کو تیمارداری کی خدمت کیوں سونپی گئی اور سیدنا ابوبکر صدیقؓ ایک کم عمر بچی کو شعر کیوں سناتے تھے۔ سچ یہی ہے کہ سیدہ عائشہؓ اس وقت سترہ اٹھارہ سال کی تھیں اور سخن فہمی کا کامل ملکہ رکھتی تھیں۔

''اصابہ'' کی روایت اوپر درج کر چکے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ کی پیدائش خانہ کعبہ کی تعمیر نو کے وقت ہوئی جب کہ آنحضرتؐ کی زیادہ سے زیادہ عمر ۳۵ سال تھی اور سیدنا عائشہؓ سیدنا فاطمہؓ سے چار پانچ سال چھوٹی تھیں۔ لیکن تاریخ ہی ہمیں بتاتی ہے کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح آنحضرتؐ سے ۱۰ بعثت میں ہوا اور اس سے قبل سیدہ عائشہؓ کی منگنی جبیر بن معطم کے لڑکے سے ہو چکی تھی۔ جب کہ سیدنا فاطمہؓ کا حضرت علیؓ سے نکاح سیدہ عائشہؓ کے نکاح سے پانچ سال بعد ۲ھ میں مدینہ میں ہوا اور حضرت فاطمہؓ کے نئے گھر کو خود سیدہ عائشہؓ نے آراستہ کیا اور سید سلیمان ندوی ہی کے الفاظ میں مکان لیپا، بستر لگایا، اپنے ہاتھ سے کھجور کی چھال دھن کر تکیے بنائے، چھوہارے اور منقے دعوت میں پیش کئے، لکڑی کی الگنی تیار کی تاکہ اس پر پانی کی مشک اور کپڑے لٹکائے جائیں۔ (سیرۃ عائشہؓ)

کیا اس سے ظاہر نہیں ہوتا کہ سیدہ عائشہؓ عمر میں سیدہ فاطمہؓ سے قدرے بڑی تھیں یا کم از کم ہم عمر تھیں اور ہر دو کی پیدائش کعبہ کی تعمیر نو کے قریبی زمانہ میں ہوئی۔

جنگ احد میں غازیان دین کی سقائی

جنگ احد کے وقت سیدہ عائشہؓ کی عمر دس سال بتائی جاتی ہے لیکن تاریخ اس حقیقت کی شاہد ہے کہ اس لڑائی میں دیگر خواتین اسلام کے ساتھ آپؓ نے بھی کندھے پر پانی کی مشک اٹھائی ہوئی تھی۔ مدینہ سے پانی بھرتیں اور تین میل دور احد کے پہاڑ کے دامن میں دن بھر مجاہدین کو پانی پلاتی رہیں۔ کیا یہ کارنامہ کوئی دس سالہ لڑکی انجام دے سکتی تھی؟ چھ سال کی عمر میں آپؓ کے نکاح کے موید ین کا سارا استدلال اس بات پرصرف ہوتا ہے کہ وہ نو سال کی عمر میں وظیفہ زوجیت ادا کر سکتی تھیں اور ان فرائض و وظائف کو نظر انداز کر دیا ہے، جو رسول اللہ صلعم کے اہل بیت ہونے کے ناطے سے آپؓ پر عاید ہوتے تھے۔ کیا احد میں شرکت ایک گڑیاں کھیلنے والی کمسن لڑکی کی ہمت کا مظاہرہ ہے؟ کیا اسی واقعہ سے عیاں نہیں کہ آپ اس قدر بڑی ہو چکی تھیں کہ آپؓ بلاخوف وخطر میدان جنگ میں سقائی کے فرائض انجام دیتی رہیں اور اس وقت آپؓ کی عمر بلاشبہ بیس اکیس سال تھی۔

یقیناً حضرت عائشہؓ کی ذہانت، وفا شعاری، دین داری اور سب سے زیادہ ان کا حضرت خدیجہؓ کے بعد ایک نہایت شاندار، دل پذیر اور قابل رشک بیوی کا کردار ہے۔ جس کی مثال ملنا محال ہے۔

نبی کریمؐ کے آخری لمحات

سید سلیمان ندوی صاحب نے ان کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے انتہائی محبت اور عقیدت کا حال اپنی کتاب ''سیرت عائشہؓ'' میں یوں بیان کیا ہے:

''اب وقت آخر تھا، حضرت عائشہؓ سرہانے بیٹھی تھیں۔ آپؐ ان کے سینہ سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ اتنے میں حضرت عائشہؓ کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن مسواک لئے اندر آئے۔ آپؐ نے مسواک کی طرف دیکھا۔ سمجھ گئیں کہ آپؐ مسواک کرنا چاہتے ہیں۔ ان سے مسواک لے کر اپنے دانت سے نرم کر کے آپؐ کو دی، آپؐ نے صحیح وتندرست آدمی کی طرح مسواک کیا۔ حضرت عائشہؓ فخر سے یہ کہا کرتی تھیں کہ تمام بیویوں میں مجھ ہی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آخر وقت میں بھی میرا جھوٹا آپؐ نے منہ میں لگایا۔

حضرت عائشہؓ آپ کی تندرستی کے لے دعائیں مانگ رہی تھیں۔ آپؐ کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں تھا، فوراً دست مبارک کھینچ لیا، اور فرمایا: اللھم الرفیق الاعلیٰ۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ تندرستی کی حالت میں آپ فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبر کو مرتے وقت دنیاوی اور اخروی زندگی میں سے ایک کے قبول کا اختیار دیا جاتا ہے۔ ان الفاظ کو سن کر میں چونک پڑی کہ آنحضرت صلعم نے ہم سے کنارہ کشی ہی قبول کی۔ تاہم وہ ابھی کم سن تھیں، کسی کو اب تک اپنی آنکھ سے مرتے نہیں دیکھا تھا۔ عرض کی یا رسول اللہ: آپؐ کو بڑی تکلیف ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ثواب بھی بقدر تکلیف ہی ہے۔ اب تک حضرت عائشہؓ آپؐ کو سنبھالے بیٹھی تھیں۔ کہتی ہیں کہ دفعتہً مجھ کو آپؐ کے بدن کا بوجھ معلوم ہوا۔ آنکھوں کی طرف دیکھا تو پھٹ گئی تھیں۔ آہستہ آہستہ سر اقدس تکیہ پر رکھ دیا، اور رونے لگیں۔ حضرت عائشہؓ کے فضائل ومناقب کا سب سے زریں باب یہ ہے کہ مرنے کے بعد ان کے حجرہ کو پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدفن بننا نصیب ہوا، اور نعش مبارک اسی حجرہ کے ایک گوشہ میں سپرد خاک ہوئی۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت عائشہؓ نے خواب دیکھا تھا کہ ان کے حجرہ میں تین چاند ٹوٹ کر گرے ہیں۔ انہوں نے اس کا ذکر حضرت ابوبکرؓ سے کیا تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی حجرہ میں مدفون ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ ان تین چاندوں میں سے ایک یہ ہے اور یہ ان میں سب سے بہتر ہے۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ دو پچھلے چاند صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ تھے۔

حضرت عائشہؓ بیوہ تھیں اور اسی عالم میں انہوں نے عمر کے چالیس مرحلے طے کئے۔ جب تک زندہ رہیں، اسی مزار قدس کی مجاور رہیں۔ قبر نبویؐ کے پاس ہی سوتی تھیں۔ ایک دن آپؐ کو خواب میں دیکھا، اسی دن سے وہاں سونا چھوڑ دیا۔ (ص ص ۱۱۰، ۱۱۱)

☆☆☆☆

قسط سوئم

ہمارا خالق

محمد ضیاءاللہ صاحب

(۱): محبت کا سب سے پہلا سبب حُسن ہے، حُسن بالطبع انسان کو مرغوب ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ حُسن ہو اور اپنا اثر نہ کرے۔ زبان جس طرح شیریں اور کڑوی اشیاء میں فرق کرتی ہے یعنی میٹھی کی طرف رغبت اور کڑوی سے نفرت، اسی طرح انسان حسین شے کی طرف کشش محسوس کرتا ہے اور کریہہ سے نفرت، حسن خواہ انسانوں میں ہو یا مناظرِ قدرت میں الغرض جہاں بھی ہو اور جس شے میں بھی ہو لازماً اپنا اثر دکھائے گا۔ کیا سبزہ اور آبِ رواں دیکھ کر ہم کو لذّت اور راحت نہیں ہوتی یا ایک حسین وجمیل چہرہ دیکھ کر دل خوش نہیں ہوتا اور یہ تو صاف ظاہر ہے کہ عالم کی جملہ اشیاء کا حسن از خود نہیں بلکہ خالق کا پیدا کردہ ہے اور جب بات یہ ہے تو اس میں کیا شک ہو سکتا ہے کہ جس ذات نے یہ سب حسن پیدا کیا ہے وہ خود کس درجہ حسین وجمیل ہوگی۔ الغرض عالم میں حسن کا وجود خالق کے بے مثل اور بے مانند حسن پر ایک کامل دلیل ہے کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ وہ حسن کو تو خلق کرے لیکن خود اسی سے محروم ہو، دوسروں کو حسن بخشنے والا بھلا خود کس درجہ حسین نہ ہوگا؟ کیا دوسروں کو غنی کرنے والا خود فقیر ہو سکتا ہے اور کیا ایک فقیر کسی کو غنی کر سکتا ہے؟

کے فقیر بے نوا گوید کہ گیر

یعنی ایک مفلس اور قلاش جس کا اپنا دامن خالی ہے کس طرح کسی دوسرے کو کچھ دے کر یہ کہہ سکتا ہے کہ لو یہ لے لو۔ اگر دنیا کی حسین وجمیل اشیاء کا حسن ہم کو اپنی طرف کھینچتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ حُسنِ ازل (جس سے دنیا میں نظر آنے والا سب حسن مستعار ہے) ہم کو اپنی طرف نہ کھینچے۔

ایں ہردو از اں دیار آئند

گیسوئے بتان ومشکِ تاتار

یعنی تیرا حسن ہر حسن سے بے پروا کرتا ہے اور تیری محبت ہر دوست کو چھڑا کر اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ اگر تیرا نمکین حسن نہ ہوتا تو دنیا میں حسن کا نام ونشان نہ ہوتا۔ معشوقوں کے چہروں نے تجھ سے شوخی پائی اور پھول نے چمن میں تجھ سے رنگ حاصل کیا۔ سیمیں ذقنوں کے پاس جو سیبِ رخسار ہیں، یہ انہیں اُونچے درختوں سے آئے ہیں یہ دونوں بھی اسی ملک سے آتے ہیں یعنی بتوں کی زلفیں اور تاتار کا مشک۔

یہ حُسنِ ازل کی ایک جھلک تھی جس کا ذیل کے اشعار میں بیساختہ اظہار ہے:

کس قدر ظاہر ہے نور اس مبدءالانوار کا
بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا
چاند کو کل دیکھ کر میں سخت بے کل ہو گیا
کیونکہ کچھ کچھ تھا نشاں اس میں جمالِ یار کا
اس بہارِ حُسن کا دل میں ہمارے جوش ہے
مت کرو کچھ ذکر ہم سے تُرک یا تاتار کا
چشمۂ خورشید میں موجیں تری مشہود ہیں
ہر ستارے میں تماشہ ہے تیری چمکار کا
خُوبرویوں میں ملاحت ہے ترے اس حُسن کی
ہر گل وگلشن میں ہے رنگ اس ترے گلزار کا
چشم مستِ ہر حسین ہر دم دکھاتی ہے تجھے
ہاتھ ہے تری طرف ہر گیسوئے خمدار کا

یا اسی طرح چودھویں کا چاند کچھ دوسرے دلوں کو تمام رات حسن ازل کی

یاد میں یوں ڈوبا ہوا رکھتا ہے:

کل چودھویں کی رات تھی

شب بھر رہا چرچا ترا

کچھ نے کہا یہ چاند ہے

کچھ نے کہا چہرہ ترا

اگر ہمارے سینہ میں دلِ آگاہ ہے تو جہاں بھی حسن کی جلوہ گری ہوگی کم و بیش کچھ ایسی ہی کیفیت سے ہم بھی دوچار ہوں گے۔

جس کے سینہ میں دلِ آگاہ ہے

اس کے لب پر اللہ ہی اللہ ہے

ہاں یہ الگ بات ہے کہ روحانی بینائی اور بصارت سے محرومی کے باعث حسن کی آغوش میں ہو کر ہم بہائم کی طرح نہ تو اس سے متاثر ہوں اور نہ ہی ہم کو حُسنِ حقیقی کی طرف مائل کرے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حسن و عشق کا ازلی اور فطری تعلق ہے جہاں حسن ہوگا۔ وہاں عشق لازماً ہوگا اور حق تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی حسین وجمیل نہیں:

اک عکسِ ناتمام پہ عالم کو وجد ہے

کیا پوچھنا ہے آپ کے حسن و جمال کا

اگر وہ بے نقاب ہو کر اپنی جھلک دکھا دے تو تمام مخلوق اس کے حسن کی تاب نہ لا کر غش کھا کر گر پڑے۔ اور اس دنیا میں وہ ہم کو اس وجہ سے نظر نہیں آتا کہ وہ لطیف ہے اور ہم کثیف ہیں اور کثیف لطیف کو بھلا کیوں کر دیکھ سکے۔

وہ اپنے حسن کی مستی سے ہیں مجبور پیدائی

مری آنکھوں کی بینائی میں ہیں اسباب مستوری

لیکن ہر وہ شخص جو اس کے دیدار کی تمنا رکھتا ہے اور اس کے ساتھ اس کے کوشاں بھی ہے وہ عالمِ آخرت میں ضرور اس کے دیدار سے مشرف ہوگا کیونکہ حقیقت میں یہی وہ اصل مقصد ہے جس کو پانے کے لئے انسان کو خلق کیا گیا ہے۔ انسانی فطرت میں جو حسن و جمال کی کشش رکھی گئی ہے، وہ اسی غرض سے ہے۔ اس لئے انسان یقیناً اپنی ارتقائی منازل طے کرتا ہوا بالآخر حُسنِ ازل کے جلووں سے لذت اندوز ہوگا۔

آدمی دید است باقی پوست است

دید آں باشد کہ دیدِ دوست است

یعنی آدمی کی حقیقت دیدار اور دیدار سے مراد دوست یعنی خدا کا دیدار ہے اس کے علاوہ آدمی جو کچھ ہے وہ صرف ایک چھلکا ہے۔ اور قرآن پاک کی آیت **واعلمو انکم ملقوہ** اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے:

ترجمہ: ''یعنی پھر جب حجاب اٹھا دیا جائے گا تو مومن لوگ اللہ کا جلوہ دیکھیں گے پس ان کو جس قدر نعمتیں دی جائیں گی ان میں سے ان کو اپنے پروردگار کے دیدار سے بڑھ کر کوئی چیز مرغوب نہیں ہوگی'' (مشکوٰۃ)

اس عالم میں حق تعالیٰ کے نظر نہ آسکنے کے سلسلہ میں یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ کسی شے کا پتہ اس کی ضد سے ہی لگتا ہے مثلاً اگر دنیا میں ہمیشہ دن ہی رہتا اور رات کا کچھ نشان نہ ہوتا تو ہم کو دن کا قطعاً کچھ پتہ نہ لگتا، دن کا علم محض رات کی وجہ سے ہے جو اس کی ضد ہے۔ لیکن حق تعالیٰ کی کوئی ضد نہیں، ہر جگہ اس کی ہی ذات کا نُور وظہور ہے اور جب حقیقت یہ ہے تو پھر کس ضد کے ذریعہ وہ نمایاں اور ظاہر ہو یہی وجہ ہے کہ باوجود اس قدر ظاہر و باہر ہونے کے اس کی ذات نہاں درنہاں ہے اور اس کا حسن چھپا ہوا اور مستور ہے۔

کیا کھلے جو کبھی نہ تھا پنہاں

کیا ملے جو کبھی جدا نہ ہوا

قرآن پاک میں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست رؤیتِ باری تعالیٰ اور آپ کی بے ہوشی کا ذکر ہے وہ اس حقیقت کا اظہار ہے کہ خداوند تعالیٰ کے حسنِ عالمتاب کی تجلّی کی تاب ناممکن ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا عظیم الشان نبی بھی جب کشفی رنگ میں حسنِ ازل کی ایک جھلک دیکھتا ہے تو غش کھا کر گر پڑتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن ضرب المثل تھا اور یہ ان

کے حسنِ دل افروز کا ہی اثر تھا کہ ان کو دیکھ کر زنانِ مصر اس قدر وارفتہ ہوگئیں کہ کھانے کہ چھریاں کھانے کی بجائے ہاتھوں پر ماریں اور بے اختیار ہو کر پکار اٹھیں کہ یہ تو انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہے۔ الغرض کون ہے جو حسن فریفتہ نہ ہوگا اور جب حسن فانی کی کشش کا یہ عالم ہے تو حسنِ ازل کا کیا کہنا:

فکرم بمنتہائے جمالت نمی رسد

کز ہر چہ درخیالِ من آید نکوتری

یعنی میری عقل تیرے جمال کے انتہا تک نہیں پہنچ سکتی کیونکہ جہاں تک بھی میرا خیال پہنچتا ہے تو اُس سے بھی زیادہ حسین ہے۔

یہاں ایک وسوسہ کا ازالہ بھی ضروری ہے حق تعالیٰ کے حسن کے سلسلہ میں کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ حق تعالیٰ جسم سے پاک ہے اور نہ ہی اس کا حسن جسمانی آنکھوں سے نظر آ سکتا ہے تو پھر اس کی طرف کشش کیونکر ممکن ہو، اس کا جواب یہ ہے کہ حسن و جمال صرف ظاہری شکل پر منحصر نہیں یعنی حسن صرف جسم کی خوبصورتی کا ہی نام نہیں یہ تو صرف وہ شخص ہی کہے گا جس کی عقل خام ہے ایسا شخص اعضاء کی اعلیٰ مناسبت، چہرہ کی شادابی اور گالوں کی سُرخی کو ہی حسن سمجھتا ہے، لیکن اصل حقیقت یہ نہیں مثلاً جب ہم یہ کہتے ہیں کہ فلاں شہر بڑا خوبصورت ہے یا فلاں نغمہ بڑا پُر کیف ہے یا فلاں تصویر بڑی پُر کشش ہے تو چہرہ کی شادابی، گالوں کی سُرخی اور اعضاء کی مناسبت اور موزونیت کا ان اشیاء سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا لیکن پھر بھی یہ اشیاء خوبصورت کہلاتی ہیں دوسرے الفاظ میں جب ہم کسی شے کو خوبصورت کہتے ہیں تو ہماری مراد یہ ہوتی ہے کہ جس قسم کا کمال اور خوبی اس شے کے لائق ہے وہ سب اس میں بدرجہ کمال موجود ہے۔

اب غور کریں تو صاف نظر آتا ہے کہ جملہ کمالات جو حق تعالیٰ کی شان کے شایان ہیں وہ سب کے سب بدرجہ اتم اس کی ذات میں موجود ہیں۔ صرف وہی ہے جو تمام صفات حسنہ سے متصف اور ہر قسم کے نقائص سے پاک ہے۔ وہ ایک ہے اور کوئی اس کا شریک نہیں وہ قادرِ مطلق ہے۔ وہ رحمان ہے یعنی بغیر مانگے اور بغیر کسی عمل کے دیتا ہے۔ وہ رحیم ہے، یعنی عملوں کا پورا پورا بدلہ دیتا ہے۔ وہ سب عالمین کا رب ہے اور ادنیٰ سے اعلیٰ اور ناقص سے کمال تک پہنچانا صرف اسی کی صفت ہے۔ سب جزا سزا اسی کے ہاتھ میں ہے، عالم کا ذرّہ ذرّہ اس کے فیض سے سیراب ہے۔ وہ بے نظیر ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ کسی نے اسے پیدا نہیں کیا لیکن اس نے ہر شے کو پیدا کیا ہے، وہ خود سے قائم ہے لیکن باقی ہر شے اس کے سبب قائم ہے۔ اگر وہ آج اپنا ہاتھ کھینچ لے تو ہر شے فنا ہو جائے۔ فنا و زوال کو اس کی درگاہ میں گذر نہیں، لیکن اس کے سوا ہر شے فانی ہے۔ وہ غنی ہے اور اسے کسی شے کی حاجت نہیں، لیکن اس کے سوا سب محتاج اور فقیر ہیں۔ وہ سب کو رزق بخشتا ہے، لیکن خود کھانے پینے سے بے نیاز ہے، زمین و آسمان کی ہر شے پر اس کی حکومت ہے لیکن وہ خود ہر قید و بند سے آزاد ہے۔ وہ سمیع ہے، وہ بصیر ہے، اس سے کوئی شے پوشیدہ اور چھپی ہوئی نہیں، ماضی، حال اور مستقبل سب اس کے لئے برابر ہیں، اس کے کاموں میں کسی کو دخل نہیں لیکن اس کے حکم کے بغیر ایک پتہ بھی حرکت نہیں کر سکتا، وہ زمان و مکاں کی قید سے آزاد ہے، وہ تمام کائنات کا منبع اور سرچشمہ ہے، وہ حکیم ہے، وہ صاحب ارادہ ہے، اس کی قدرت بے انتہا ہے، اس کا علم کامل ہے، اس کی رحمت ہر شے پر محیط ہے، اس کے عفو کو اس کے غضب پر سبقت ہے، اس کا کرم بے پایاں ہے، اس کا رحم بے حد ہے، اس کی بخشش بے سبب ہے۔

(باقی آئندہ)

درس قرآن ـ ۳۰

نصیر احمد فاروقی مرحوم و مغفور

(از: معارف القرآن)

ترجمہ: ”یہ تو کوئی بڑی نیکی نہیں کہ تم اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو۔ لیکن بڑا نیک وہ ہے جو اللہ پر ایمان لاتا ہے اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور نبیوں پر۔ اور مال کو اس کی محبت کے باوجود دیتا ہے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں اور ان کی گردنیں چھڑانے میں جو دبی ہوئی ہیں۔ اور نماز کو قائم کرتا ہے اور زکوٰۃ کو ادا کرتا ہے۔ اور اپنے عہد کو پورا کرنے والے جب وہ عہد کریں اور صبر کرنے والے تنگی اور تکلیف اور دُکھ میں اور مقابلہ کے وقت، یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے (اپنے ایمان کو) سچ کر دکھایا اور یہی متقی ہیں“۔ (سورۃ البقرۃ ۲۔ آیت ۱۷۷)

میں پچھلے درس میں وجوہات دے کر بیان کر آیا ہوں کہ اس آیتِ مبارکہ کے ابتدائی الفاظ کہ ”یہ تو کوئی بڑی نیکی نہیں کہ تم اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو“ تحویل قبلہ یعنی بیت المقدس کی جگہ خانہ کعبہ کا بطور قبلہ مقرر ہونے کے متعلق نہیں ہوسکتے بلکہ مشرق اور مغرب وہ دو معروف یا مشہور نام ہیں جن سے اہلِ مشرق اور مغرب مراد ہیں جیسا کہ آج کل بھی اُردو اور انگریزی دونوں میں یہ الفاظ انہی معنوں میں آتے ہیں۔ تو تہذیب و تمدن جن کا یہاں ذکر ہے وہ پہلے مشرق میں تھے جہاں سے نہ صرف تمام مذاہب پیدا ہوئے جو بنیاد تھے انسانی تہذیب و تمدن کے، بلکہ عظیم الشان سلطنتیں، علوم و فنون، لٹریچر، رہنے سہنے کے آداب وغیرہ جو کچھ بھی کہ تہذیب و تمدن کے اندر شامل ہیں سب مشرق میں ابتدائی تاریخِ دنیا میں ہوئے۔ ان دنوں میں یورپ اور امریکہ وحشی یا نیم وحشی حالت میں تھے۔ اس لئے تہذیب و تمدن سیکھنے کے لئے لوگ مشرق کی طرف دیکھتے تھے، ادھر کا رخ کرتے تھے، مگر انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں یہ کایا پلٹ گئی۔ نہ صرف مغربی طاقتیں تمام دنیا پر چھا گئیں بلکہ انہوں نے علوم خصوصاً سائنسز (Sciences) میں وہ حیرت انگیز ترقیات کیں کہ دنیا کی آنکھیں چکا چوند ہوگئیں۔ اور دنیا نے مغربی تہذیب و تمدن کو اختیار کرنا شروع کر دیا۔ پرانی وضع کے لوگوں میں اور نئی وضع کے لوگوں میں سخت اختلاف پیدا ہوگیا۔ کچھ کہتے تھے کہ ہماری مشرقی تہذیب و تمدن ہی اصل خوبی ہے اور مغرب سے جو آتا ہے وہ اچھا نہیں۔ دوسرے لوگ مشرقی تہذیب و تمدن کو دقیانوسی اور کھوسٹ سمجھنے لگے اور جو بات مغرب سے آئے اسے اندھا دھند اختیار کرنے لگے۔ قرآن نے یہاں فرمایا ہے کہ مشرقی تہذیب ہو یا مغربی، انسانی تہذیبوں میں کوئی بڑی اعلیٰ قسم کی نیکیاں نہیں ہوتیں۔ چنانچہ ہم نے دیکھا کہ مشرقی تہذیب بالآخر ہر قسم کی برائیوں اور عیبوں میں پڑ گئی اور آج مغربی تہذیب بالکل ننگی اور بے حیا ہو کر ہمارے سامنے ہے۔ قرآن حکیم نے فرمایا کہ اصل تہذیب اعلیٰ نیکیوں سے پیدا ہوتی ہے اور ان کو حاصل کرنے کے لئے اللہ پر ایمان بنیادی چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو جان کر ہی انسان نے ابتدائے آفرینش ہے سے نیکیاں سیکھی ہیں۔ اور جس تفصیل سے اور تکمیل سے اب قرآن حکیم نے اللہ کی صفات کو بتایا ہے وہ تمام نیکیاں انسان کو سکھاتا ہے۔ تہذیب نام ہے اعلیٰ اخلاق کا اور اعلیٰ اخلاق نیکیوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ جن کا منبع اللہ تعالیٰ کی ذات ستودہ صفات ہے۔

نیکیوں کا اصل اجر اور فائدہ تو آخرت میں نظر آئے گا۔ اس لئے اگلی بات جو قرآن حکیم نے فرمائی وہ یومِ آخرت پر ایمان ہے۔ جیسا کہ سورۃ فاتحہ میں

یوم الدین کی تفسیر میں بتا آیا ہوں لفظ یوم وسیع معنوں میں بھی آتا ہے گویا کہ تمام اگلی زندگی بھی اس سے مراد لی جاسکتی ہے۔ جس میں نیکیوں کا اجر اور پھل انسان کو ملتا رہے گا۔ مگر یوم صبح سے لے کر شام یعنی ایک دن یا ایک خاص وقت کے لئے بھی آتا ہے۔ تو یوم آخرت پر ایمان اگر ان معنوں میں لیا جائے تو اس کا مطلب ہوگا یوم حساب۔ تو قرآن حکیم نے بار بار انسان کو آگاہ کیا ہے کہ ایک دن آئے گا کہ اس کو اپنے تمام اعمال، اقوال بلکہ دل کے اندر کے خیالات اور رازوں کا حساب دینا ہوگا۔ اللہ اللہ! کیا زبردست چیز ہے یہ یوم حساب رپ ایمان لانا کہ اگر یہ ایمان دل میں پیدا ہوجائے تو انسان کے تمام اعمال، اقوال بلکہ دل کے اندر کے تمام جذبات اور خواہشات کی اصلاح ہوجاتی ہے۔ تبھی جا کر اعلیٰ نیکیاں اور اعلیٰ اخلاق پیدا ہوتے ہیں اور وہ ہیں اصل تہذیب نہ کہ سطحی اور اُوپر، اوپر کا ملمع جو جلد اُتر جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ بھی انسان کا کیا محسنِ اعظم ہے اور یہ قرآن حکیم بھی کیا علم و معرفت سے پُر کتاب ہے! فرمایا کہ انسان کی مدد کے لئے کہ وہ اعلیٰ نیکیاں حاصل کر سکے ہم نے تین سامان کئے ہیں۔ اوّل تو فرشتے ہیں۔ فرشتہ اللہ تعالیٰ کے اور انسان کے درمیان واسطہ ہے، ذریعہ ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ انسان کے دل میں نیکی کی تحریک پیدا کرتا رہتا ہے۔ تو فرشتوں پر ایمان جو کہ اس آیت مبارکہ میں تیسرا ایمان کا جزو بتایا اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان کو علم ہو کہ اس کے باطن میں ایک نیکی کی تحریک کرنے والا ہے۔ اس لئے انسان کو چاہیے کہ ہر وقت دھیان رکھے اور جب کبھی اس کے دل میں کوئی نیکی کی تحریک ہو تو اسے فرشتہ کی تحریک اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھ کر انسان فوراً اس پر عمل کرے اور نیکی کی تحریک کو ضائع نہ جانے دے کہ اس سے بڑھ کر انسان کی بدقسمتی نہیں ہوسکتی۔ اچھے موقع کو کھونا اپنا نقصان کرنا ہوتا ہے کہ موقع یا وقت جا کر پھر واپس نہیں آتا۔

دوسرا بندوبست جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کی ہدایت اور فائدہ کے لئے کیا ہے وہ ہے کہ کتاب الٰہی کا دیا جانا۔ وہ عظیم فرشتہ اس کتاب کو لایا ہے جس کا نام حضرت جبرائیل ہے۔ چونکہ یہ خطرہ تھا کہ انسان کے باطن میں جو فرشتہ نیکی تحریک کے لئے لگایا گیا ہے اس کی تحریک باطنی تحریک ہونے کی وجہ سے انسان کے لئے اوجھل نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے یہ احسان عظیم کیا کہ ہمیشہ قوموں کو اپنی کتاب دی جس میں کہ نیکیاں کیا ہیں جن کو حاصل کرنا چاہیے یا بدیاں کیا ہیں جن سے بچنا چاہیے۔ انہیں Black and white یعنی سیاہ وسفید میں انسان کے ہاتھ میں دے دیا۔ مگر دوسری قوموں نے اپنی کتابیں یا تو کھودیں یا ان میں تحریفیں ہوگئیں یا ان کے اختلافات سے پُر نسخے بن گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ احسانِ عظیم کیا کہ ان کتابوں کی تعلیم جو محفوظ کرنے کے قابل تھی وہ قرآن پاک میں نہ صرف جمع کردی بلکہ اس تعلیم کو کامل کر کے ہمیشہ کے لئے محفوظ کردیا۔ اسی لئے فرمایا **فیھا کتب قیمة** (البینہ 98-4) یعنی اس قرآن میں وہ پچھلی کتابوں کی تعلیم جو قائم رکھی جانے کے قابل تھی جمع کردی گئی ہے، پھر فرمایا **وانزلنا الیک الکتب بالحق مصدقا لما بین یدیه من الکتب و مھیمنا علیه** (المائدۃ 5-48) یعنی "اور ہم نے تیری طرف کتاب حق کے ساتھ اتاری جو تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے کتاب ہوئی اور اس پر محافظ ہے" یہاں لفظ کتاب بطور جنس کے ہے یعنی تمام پچھلی الہامی کتابوں کی یہ تصدیق کرتی ہے اور ان میں جو محفوظ کرنے والی تعلیم ہے اسے محفوظ کرتی ہے۔ یعنی جو حق ضائع ہوگیا تھا پچھلی الہامی کتابوں کے ضائع ہوجانے یا ان میں تحریف ہوجانے کی وجہ سے اس کو اس کتاب (قرآن) کے ذریعہ سے دوبارہ نازل کیا گیا ہے اور جو ان کتابوں کی تعلیم محفوظ رکھنے کے قابل تھی اسے اس میں محفوظ کردیا گیا ہے۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ کے دین اور نعمت کو اس کتاب میں مکمل کردیا گیا (المائدہ ۵۔۳۰) اور اس کتاب کا محافظ اب اللہ تبارک وتعالیٰ خود ہوگا **انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون**۔ ان تمام وجوہ سے آج کی آیت زیرِ غور میں کتب کو واحد کے صیغہ میں لائے کہ اب صرف ایک کتاب پر ایمان لا کر اپنے لئے بطور ہدایت قبول کرنے کی ضرورت ہے۔ اور وہ ہے قرآن کریم۔ جو اس کو قبول کرتا ہے وہ اپنی پچھلی الہامی کتاب کی بھی صحیح تعلیم کو قبول کرتا ہے۔ بہرحال یہی کتاب اب صرف محفوظ اور مکمل ہے۔

تو اعلیٰ نیکیوں کی طرف رہنمائی کرنے کے لئے نہ صرف باطن میں فرشتہ مقرر فرمایا بلکہ ظاہر میں الہامی کتاب عطا فرمائی جس میں اعلیٰ نیکیاں تحریر ہیں۔ Black and white یعنی سیاہ وسفید انسان کے آگے آگئیں۔ انہیں کس طرح حاصل کیا

جا سکتا ہے اور بدیوں سے کس طرح بچا جا سکتا ہے یہ بھی لکھا ہوا انسان کے سامنے آ گیا۔مگر لفظ بے جان ہوتا ہے۔انسانی نمونہ زندہ چیز ہوتی ہے۔تو تیسری چیز جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی اعلیٰ اخلاق کی طرف رہنمائی کے لئے بنائی وہ نبیوں کا نمونہ ہے۔ہر قوم اپنے نبی کو اعلیٰ اخلاق کا مالک سمجھتی ہے۔ان کا نمونہ کچھ تو دوسری کتابوں یا روایات میں ملتا ہے۔مگر خود قرآن کریم نے بھی دوسرے نبیوں کے اخلاق اپنے اندر ان نبیوں کے ذکر میں جمع کر دیئے ہیں۔اور خود رسول اللہ صلعم کا اعلیٰ ترین نمونہ نہ صرف قرآن کریم میں مذکور ہے بلکہ احادیث اور سیرت کی کتابوں میں ایسا موجود ہے کہ حضور صلعم کے صبح سے لے کر شام تک کی زندگی، آپ کے اقوال اور افعال، ایسے محفوظ ہیں کہ اگر آپ کو زندہ نبی کہا جائے تو وہ مبالغہ نہیں۔

نبی اپنی الہامی کتاب کی تمام تعلیمات پر عمل کر کے دکھا دیتا ہے کہ وہ تعلیمات قابلِ عمل ہیں۔حضور صلعم کے متعلق تو آپ کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ کان خلقه القرآن یعنی آپ کے اخلاق جاننے ہوں تو قرآن کو پڑھ لو آپ کے اخلاق تمام وہ تھے جن کی قرآن کریم میں تعلیم و ترغیب دی گئی ہے۔اور خود اللہ تعالیٰ سرٹیفکیٹ قرآن میں موجود ہے کہ انک لعلیٰ خلق عظیم۔(بے شک تو عظیم اخلاق کا مالک ہے) یا فرمایا و من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (النساء4:80) اور جو شخص اس رسولؐ کی اطاعت کرتا ہے تو وہ بیشک اللہ کی اطاعت کرتا ہے یعنی آپؐ نے اللہ کے تمام احکامات کی ایسی کامل اور اعلیٰ اطاعت کی کہ حضورؐ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

الغرض اعلیٰ نیکیاں حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ پر ایمان، یومِ آخر پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، قرآن پر ایمان اور نبیوں پر ایمان لا کر ان تمام ذریعوں سے اعلیٰ نیکیاں ہر رنگ میں اور مکمل طور پر انسان حاصل کر سکتا ہے۔(باقی آئندہ)

☆☆☆☆

یاد آ گیا

ابو ارشد مرحوم و مغفور

جب بہار آئی مجھے اپنا چمن یاد آ گیا
حضرت اقدسؑ کا دورِ ضوفگن یاد آ گیا
دل میں ''نُور دیں'' کی باتیں چٹکیاں لینے لگیں
خواجہ ''حسن بیاں'' شیریں سخن یاد آ گیا
طوطئ اسلام وہ جادو بیاں عبدالکریم
تھا نقیبِ مہدی شاہِ زمن یاد آ گیا
آتشِ خوں سے بھی کھیلے ہیں شہید عبداللطیف
حق کی خاطر تھا ہمارا کیا چلن یاد آ گیا
اور پھر اقصائے عالم پر اُٹھی میری نظر
ایک ''سلطان القلم'' باطل شکن یاد آ گیا
ہے محمدؐ اور علی کے نام سے مشہور وُہ
تھا جو رُوح و جسم و جانِ انجمن یاد آ گیا
نورِ عرفاں سے بھری وہ مجلسیں یاد آ گئیں
جوش فتح بحر و برکوہ دومن یاد آ گیا
اور اُن قدّوسیوں کے درمیاں بیٹھا ہوا
وہ مسیح وقت گویا من و عن یاد آ گیا

☆☆☆☆

اسلام کے اوائل کی تاریخی جھلکیاں

انگریزی سے ترجمہ: نعیم اللہ ملک

اسلام میں خواتین کے حقوق اور ان کا سماجی کردار

قرآن مجید اور اسوہ حسنہ نبی اکرم صلعم کی روشنی میں

کیرن آرمسٹرانگ

تعدد ازواج کی سماجی اہمیت

احد میں شہید ہونے والے ہر مسلمان کے پسماندگان میں بیویاں اور بیٹیاں شامل تھیں۔ اور ان کا کوئی محافظ نہیں تھا۔ چنانچہ شکست کے بعد حضورؐ پر ایک وحی نازل ہوئی جس میں مسلمانوں کو چار بیویاں رکھنے کی اجازت دے دی گئی۔ مسلمانوں کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ خدا نے مردوں اور عورتوں کو ایک ہی جان سے پیدا کیا ہے اس لیے اس کی نظروں میں دونوں جنسیں مساوی قدر و حیثیت رکھتی ہیں۔

''اور یتیموں کو ان کے مال دو اور اچھی چیز کو ردی چیز سے نہ بدلو اور ان کے مالوں کو اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ۔ بے شک یہ بڑا گناہ ہے۔

اور اگر خوف ہو کہ یتیم کے بارے میں تم انصاف نہ کر سکو گے تو اور عورتوں میں سے جو تمہیں پسند ہوں نکاح کر لو (خواہ) دو، تین یا چار۔ اور اگر تمہیں خوف ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی یا جس کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے۔ یہ زیادہ مناسب ہے کہ تم ناانصافی نہ کرو۔'' (سورہ نسا: آیت ۲،۳)

مسلمانوں میں کثیر الازدواجی کی اجازت پر بہت نکتہ چینی کی جاتی ہے اور اسے مسلم خواتین کے مصائب کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے لیکن جب یہ وحی نازل ہوئی، اس وقت اسے سماجی پیش رفت قرار دیا گیا۔ (Muhammad at Medina, Watt:pp.272-83)۔ اسلام سے پہلے کے دور میں ہر مرد اور عورت کو کئی کئی شادیوں کی اجازت تھی۔ شادی کے بعد عورت اپنے خاوند کے گھر میں رہتی اور اس کے تمام ''شوہر'' اس کے پاس آتے جاتے۔ اصل میں یہ لائسنس یافتہ عصمت فروشی تھی۔ ان حالات میں پدری رشتہ یقینی نہیں تھا چنانچہ بچوں کو عام طور پر اپنی ماؤں کے نام سے شناخت کیا جاتا تھا۔ مرد عورتوں کے نان و نفقے کے ذمہ دار نہیں تھے اور نہ ہی وہ اپنی اولاد کی کفالت کرتے تھے۔ لیکن اس وقت عرب ایک عبوری دور سے گزر رہا تھا۔ جزیرہ نما میں اس نئے نظریے کا کہ افراد کو فکر و عمل کی آزادی ہونی چاہیے، مطلب یہ تھا کہ مرد اپنے بچوں میں زیادہ دلچسپی لینے لگیں۔ وہ ذاتی املاک کا زیادہ حق جتانے لگے اور ان کی یہ خواہش ہو گئی کہ ان کی دولت ان کے بیٹوں کو ورثے میں ملے۔ قرآن کریم نے متحدہ خاندانوں پر مشتمل معاشرہ قائم کرنے کے رجحان کی حوصلہ افزائی کی۔ خود حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کئی شادیاں کیں اور ازواج مطہراتؓ کو اپنے گھر میں لا کر ان کو نان و نفقہ فراہم کیا۔ قرآن پاک مسلمانوں کو کثیر الازدواجی کی اجازت دینے کے ساتھ مردوں سے ان فرائض کی ادائیگی کی توقع رکھتا ہے جن کا حکم ان آیات میں دیا گیا ہے۔ قرآن اس سماجی مسئلے سے بھی بخوبی آگاہ تھا جو ان نئی آیات کے نزول کے ذریعہ حل کیا جانا مقصود تھا۔

اسلام سے قبل عورتوں کی حیثیت

ظہور اسلام سے پہلے کوئی عورت جائیداد کی مالکہ نہ ہوتی۔ اس کی دولت اس کے خاندان کی ملکیت ہوتی اور اس کے مرد رشتے دار اس کا انتظام و انصرام کرتے۔ لیکن مکہ میں، جہاں عرب کے کسی بھی علاقے کے مقابلے میں انفرادیت کے نظریے پر زیادہ عمل کیا جاتا، اشراف خاندانوں کی کئی خواتین کو وراثت میں جائیداد ملتی اور وہ خود اس کا انتظام چلاتیں۔ اس سلسلے میں جناب خدیجہؓ کی مثال پیش کی جا سکتی ہے تاہم مکہ میں ایسی بہت کم مثالیں موجود تھیں اور مدینہ میں تو کسی نے سنا بھی نہیں تھا۔ بیشتر مرد اس نظریے کو ہی مضحکہ خیز سمجھتے تھے کہ عورتوں کو وراثت مل سکتی ہے اور وہ جائیداد کی خود دیکھ بھال کر سکتی ہیں۔ عورتوں کے لیے کوئی انفرادی حقوق نہیں تھے۔ وہ ان حقوق کو حاصل بھی کیسے کر سکتی تھیں؟ چنانچہ استثنائی مثالوں سے قطع نظر معیشت میں خواتین کا کوئی رول نہیں تھا اور چونکہ وہ غزووں میں حصہ نہیں لے سکتی تھیں اس لیے وہ اپنی برادری کے لیے کوئی دولت نہ لاتیں تھیں۔ خواتین کو

روایتی طور پر مردوں کی جائیداد سمجھا جاتا تھا۔ مرد کی وفات کے بعد اس کی بیواؤں اور بیٹیوں کو مرد وارثوں کے حوالے کر دیا جاتا جو ان کو وراثت میں ملنے والی جائیداد کو ہتھیانے کے لیے انہیں عموماً غیر بیاہتا اور تنگ دست رکھتے۔

خواتین کے قانونی حقوق

کثیر الازدواجی کے متعلق قرآنی احکام کو سماجی قانون کا درجہ حاصل تھا جس کا مقصد مردوں کی جنسی تسکین کا سامان مہیا کرنا نہیں بلکہ بیواؤں، یتیموں اور دوسری زیر کفالت اور بے کس خواتین کے ساتھ روا رکھی جانے والی بے انصافی کا ازالہ کرنا تھا کیونکہ غیر محتاط لوگ عموماً ہر چیز پر قبضہ کر لیتے اور خاندان کے کمزور افراد کے لیے کچھ نہ چھوڑتے۔ (Mernissi: Women and Islam, pp123, 182)۔ مرد گارڈین انہیں اکثر جنسی تشدد کا نشانہ بناتے یا انہیں لونڈیاں بنا کر بیچ ڈالتے اور اس طرح انہیں مالیاتی اثاثے میں تبدیل کر دیتے۔ مثال کے طور پر ابن ابی اپنی لونڈیوں سے جبراً عصمت فروشی کروا کر دولت اکٹھی کرتا۔ قرآن مجید میں ایسے طرز عمل کی شدید مذمت کی گئی ہے۔ اور عورتوں کو وراثت کے نا قابل منتقلی حقوق دیے گئے ہیں۔ کثیر الازدواجی کی اس بات کو یقینی بنانے کے لئے اجازت دی گئی تھی کہ غیر محفوظ عورتوں کی احسن طریقے سے شادی کر دی جائے اور قدیم ڈھیلے ڈھالے، غیر ذمے دار ناجائز تعلقات کو ختم کر کے مرد کو صرف چار بیویاں رکھنے کی اجازت دی جائے۔ لیکن مرد پر یہ فرض عاید کر دیا گیا کہ وہ تمام بیویوں کے ساتھ یکساں سلوک کرے۔ عورتوں کی املاک کو ہڑپ کرنے کو بھی غیر منصفانہ اور ظالمانہ فعل قرار دیا گیا۔

قرآن کریم خواتین کو وہ قانونی حقوق دینے کی کوشش کر رہا تھا جو مغرب کی اکثر عورتوں کو انیسویں صدی تک نہیں ملے تھے۔ عورتوں کی قانونی یا اخلاقی مجبوریوں سے آزادی رسول کریم کو دل سے عزیز تھی لیکن آپؐ کے بعض انتہائی قریبی صحابہؓ سمیت امت کے کئی مرد اس منصوبے کے خلاف تھے۔ جس معاشرے میں تنگی اور قلت کا مسئلہ درپیش ہو، وہاں چار بیویاں اور ان کے بچوں کی کفالت کا بوجھ قبول کرنے کے لئے جرات اور حوصلے کی ضرورت تھی۔ مسلمان اس یقین سے سرشار ہونے چاہئیں کہ خدا انہیں روزی کا سامان فراہم کرے گا۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

''اور جو شادی کا سامان نہیں پاتے، پاک دامن رہیں یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے۔ اور وہ غلام جو (کچھ دے کر) آزادی کی تحریر مانگتے ہیں ان کو تم ایسی تحریر دے دو اگر تم کو ان میں کوئی بھلائی نظر آتی ہو اور ان کو اللہ کے مال سے دو جو اس نے تمہیں دیا ہے۔ اور اپنی لونڈیوں کو جو پاک دامن رہنا چاہتی ہیں بدکاری پر مجبور نہ کرو تاکہ تم دنیا کی زندگی کا سامان چاہو۔ اور جو کوئی مجبور کرے گا تو اللہ ان کے جبر کے بعد بخشنے والا ہے اور رحم کرنے والا ہے۔'' (النور ۲۴:۳۳)

رسول کریم کا عملی نمونہ

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس معاملے میں بھی قافلہ سالار ثابت ہوئے۔ غزوہ احد کے بعد حضورؐ نے حضرت زینبؓ بنت خزیمہ سے شادی کر کے انہیں رہنے کے لئے ایک الگ مکان دیا۔ ان کے شوہر بدر کے معرکے میں شہید ہو گئے تھے۔ وہ بدوی قبیلے بنو عامر کے سردار کی بیٹی تھیں چنانچہ اس شادی کے نتیجے میں اس قبیلے کے ساتھ آپ کا نیا سیاسی اتحاد قائم ہو گیا۔ ان کے لئے مسجد نبوی کے ساتھ ایک حجرہ تعمیر کیا گیا اور وہ اپنی ''تین بہنوں'' سودہؓ، عائشہؓ اور حفصہؓ کے ساتھ رہنے لگیں۔

رسول اللہؐ خواتین کو مال منقولہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ ازواج مطہراتؓ مردوں کی طرح آپؐ کی ''ساتھی'' تھیں۔ آپؐ عموماً ایک زوجہ محترمہ کو عسکری مہم پر اپنے ساتھ لے جاتے اور آپؐ کے سپہ سالاروں کو یہ دیکھ کر مایوسی ہوتی کہ آپؐ ہر شام مجاہدوں کی بجائے ان کے خیمے میں گزارتے۔ لشکر گاہ میں خواتین عجز و انکسار کے ساتھ الگ تھلگ نہ رہتیں بلکہ آزادانہ گھومتی پھرتیں اور حالات و واقعات میں پوری دلچسپی لیتیں۔ اسلام سے پہلے کے عرب میں اشراف طبقے کی خواتین کو بھی اس قسم کی آزادی حاصل تھی لیکن حضرت عمرؓ اس صورت حال سے مشتعل ہو جاتے: ''تمہاری یہ دلیری سرکشی کے مترادف ہے۔'' انہوں نے ایک دن حضرت عائشہؓ کو اگلے مورچوں پر گھومتی پھرتی دیکھ کر چلاتے ہوئے کہا: ''اگر کوئی مصیبت آ گئی تو کیا ہوگا؟ اگر ہم شکست کھا گئے اور لوگوں کو قیدی بنا لیا گیا تو کیا بنے گا؟'' (Mernissi: Women and Islam , pp 162,163)

نبی کریمؐ کے گھریلو انتظامات کے باعث ازواج مطہراتؓ کو سیاست تک رسائی مل گئی اور اس شعبے میں بھی ان کا عمل دخل بڑھ گیا۔ زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ملت کی دوسری عورتوں کو بھی اس قسم کے اختیارات مل گئے اور حضورؐ کے دشمنوں نے خواتین کی نقل و حرکت کو آں حضرتؐ کو بدنام کرنے کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا۔

(اقتباس از محمدؐ پیغمبر عہد رواں، ابوذر پبلی کیشنز، لاہور، ص ص ۱۶۔۱۸)

☆☆☆☆

شبان الاحمدیہ مرکزیہ، لاہور

بزمِ اطفال

وطن کی محبت

عاطف اپنے کمرے میں بیٹھے مطالعہ میں مصروف تھا کہ اچانک اس کے ابو کمرے میں داخل ہوئے اور بولے ''عاطف آج تمہارے لئے ایک خوشخبری ہے'' واقعی، عاطف نے جملہ کاٹتے ہوئے بولا۔ ''تو جلدی سنائیں نا''۔

''ہم لوگ کل کی فلائٹ سے لندن جارہے ہیں پھر تم پڑھ لکھ کر بڑے ہو جاؤ گے تو یہاں سیر کرنے آئیں گے''۔ لیکن ابو بھلا یہ کیا خوشخبری ہوئی کہ ہم اپنا ملک چھوڑ کر جارہے ہیں۔ عاطف کے ابو نے کہا ''بیٹا تمہیں تو فخر کرنا چاہیے کہ تم ایک ترقی یافتہ ملک میں جارہے ہو اور آئندہ زندگی بھی وہیں گذارو گے''۔

کاش ابو جان! آپ کو یہ خیال نہ آتا۔ عاطف معصومیت سے بولا۔ بیٹا تم یہاں کا ماحول تو دیکھو، ہر جگہ گندگی ہی گندگی ہے، لوگ اپنے گھر کا کچرا گھر سے باہر ڈال دیتے ہیں، سڑکوں پر گاڑیوں کا دھواں ہی دھواں ہے۔ عاطف بیچ میں بولا۔

لیکن ابو جان! ملک کو برباد کرنے میں زیادہ ہمارا ہی حصہ ہے، ہمیں چاہیے کہ اسے صاف ستھرا رکھیں اور جہاں تک ہو سکے اس کی حفاظت کریں۔ اپنا گھر اگر گندا ہو تو اسے چھوڑ کر در بدر کی ٹھوکریں کھانے سے بہتر ہے کہ اپنے گھر کو ہی صاف کر کے رہا جائے۔ بس میں نے کہا نہ اپنا سامان باندھ کر تیار ہو جاؤ۔ یہ کہتے ہوئے وہ کمرے سے باہر چلے گئے مگر جب وہ اپنے کمرے میں جا کر بستر پر لیٹے تو وہ اپنے بیٹے کی کہی ہوئی باتوں پر غور کرنے لگے اور پھر انہیں سوچ کر دلی دُکھ ہوا کہ پتہ نہیں میں اور میرے جیسے کتنے لوگ باہر کے ملکوں کی خدمت کر رہے ہیں، اگر ہم شروع سے اپنے ملک کی خدمت کرتے تو آج ہم بھی ترقی یافتہ کہلاتے۔

یہ سوچ کر ان کے دل میں ایک نیا احساس پیدا ہوا اور انہوں نے لندن جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ (عاطف نثار (ملتان)

☆☆☆☆

کوئز برائے اطفال الاحمدیہ

سوال نمبر1: عیدالاضحیٰ کے موقع پر مسلمان اسلام کا کونسا رکن ادا کرتے ہیں؟

(۱): روزہ (۲): زکوٰۃ (۳): حج

سوال نمبر2: اسلامی سال کے کونسے مہینے میں عیدالاضحیٰ منائی جاتی ہے؟

(۱): شعبان (۲): محرم (۳): ذی الحج

سوال نمبر3: کونسے نبی نے اللہ کے حکم پر اپنے بیٹے کو قربانی کے لئے پیش کر دیا؟

(۱): حضرت ابراہیمؑ (۲): حضرت موسیٰؑ (۳): حضرت یوسفؑ

سوال نمبر4: حضرت حاجرہ علیہ السلام نے کونسی جگہ پر سعی کی تھی؟

(۱): میدان عرفات (۲): صفی و مروہ (۳): منی

گذشتہ شمارہ کے درست جوابات دینے والوں کے نام

(۱): سکندر (لاہور) (۲): سیاب احمد (پشاور) (۳): عاطف نثار (ملتان)

جواب ارسال کرنے کا طریقہ

تمام بچے اپنے جوابات اس پتہ پر ارسال کریں: دفتر شبان الاحمدیہ مرکزیہ ۵ عثمان بلاک دارالسلام کالونی نیوگارڈن ٹاؤن لاہور۔

نیز جوابات SMS کے ذریعے بھی بھیجے جاسکتے ہیں۔ جس کا طریقہ کار درج ذیل ہے:

☆ اپنا نام اور شہر کا نام ☆ سوال کا نمبر اور آگے جواب

☆ شبان الاحمدیہ مرکزیہ کے نمبر 0313-4433515 پر بھیجیں۔

☆☆☆☆

باہتمام پاکستان پرنٹنگ ورکس کچا رشید روڈ لاہور سے چھپوا کر پبلشر چوہدری ریاض احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح، دارالسلام۔ ۵۔ عثمان بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن لاہور سے شائع کیا۔

والدین کی تمنائیں، کوششیں: بچوں کی سوچ اور زندگی کا سفر

ارشاد عرشی ملک، اسلام آباد

جب میں اپنی عمر کے چوتھے سال میں تھا
میرے ابو جانی مجھ کو بے حد پیارے لگتے تھے
میری سوچوں کے آکاش پہ روشن تارے لگتے تھے
بے حد عظمت کے مالک اور بے حد اچھے لگتے تھے
دنیا کا کچھ علم نہیں، پر ابو سچے لگتے تھے۔

چھ سالوں کا ہو کر میں نے جان لیا
میرے ابو سارے علم کے مالک ہیں
ہر پل ہنستا، روشن چہرہ، کتنے حلم کے مالک ہیں۔

جب میں اپنی عمر کے دسویں سال میں پہنچا
مجھے لگا کہ یوں تو ابو اچھے ہیں
پر مجھ سے غصے رہتے ہیں
ان کا علم وفہم بھی گر چہ اچھا ہے، پر خاص نہیں ہے
میرے ہر ساتھی کے ابو، اتنے علم کے مالک ہیں

بارہ سال کا ہو کر میں کچھ بے کل سا تھا
ہر پل سوچا کرتا تھا
ابو کو خوش کرنا کتنا مشکل ہے
جب میں چھوٹا بچہ تھا، تو ابو مجھ سے کتنا پیار کیا کرتے تھے
گود میں مجھ کو لے کر چاہت کا اظہار کیا کرتے تھے
تب وہ کتنے اچھے تھے۔

سولہ سال کا ہو کر یک دم میں کافی مایوس ہوا تھا
ابو یوں تو ٹھیک ہی ہیں، پر وقت کا ساتھ نہیں دے پاتے
اکثر ہیں پیچھے رہ جاتے۔
سترہ سال سے بیس برس کی مدت کافی مشکل تھی
مجھ کو یوں لگتا تھا جیسے، ہر پل مجھ پر نکتہ چینی
ابو کی اب عادت بنتی جاتی ہے
میری ٹوہ میں رہنا ان کی فطرت بنتی جاتی ہے
میرے ملنے والوں سے بھی اکھڑے اکھڑے رہتے ہیں
مجھ سے کچھ مایوس سے ہیں اور بگڑے بگڑے رہتے ہیں
تب میں ان کی نظروں سے بچ بچ کے گزرا کرتا تھا
اور یہ سوچا کرتا تھا
ان کی صحبت میں کچھ دیر بھی رہنا کتنا مشکل ہے
ان کی گہری گہری نظریں سہنا کتنا مشکل ہے
جانے ماں کس طرح ان کا ساتھ نبھاتی آئی ہے

چوبیس اور پچیس برس کی عمر میں مجھ کو یوں لگتا تھا
ان کو میری ہر خواہش سے بیر سا ہے
دنیا کے حالات کا بھی کچھ علم نہیں ہے
طیش میں جلدی آجاتے ہیں
شاید ان میں حلم نہیں ہے
جانے دنیا والوں کا وہ ساتھ نبھانا کب سیکھیں گے
آنے والے نئے دنوں سے، ہاتھ ملانا کب سیکھیں گے

تیس برس کا ہو کر میں حیران ہوا کہ
اپنے ننھے بچوں کو کس طور سنبھالوں
ایک نہیں وہ سنتے میری
حالانکہ میں چھوٹے ہوتے اپنے ابو سے ڈرتا تھا
جو کچھ وہ کہتے کرتا تھا
چالیس اور پینتالیس سال کا ہو کر آخر میں نے جانا
ابو نے ہم سب کو کافی طور اطوار سکھائے تھے
خوب ڈسپلن میں رکھا تھا
میں حیران ہوا کہ ابو اتنے بچوں کو کیسے
اک نظم وضبط میں رکھتے تھے۔

نصف صدی کی عمر بتا کر میں نے جانا
بے شک ابو نے ہم سب پر کافی وقت لگایا تھا
روز وشب قربانی دی تھی، سارا مال لٹایا تھا
چھ بچوں کو نظم وضبط سکھانا اور پروان چڑھانا
کام کوئی آسان نہیں تھا۔
میرے دو بچے ہیں وہ بھی اکھڑے اکھڑے رہتے ہیں
اور جنریشن گیپ کے ان کے لب پر دکھڑے رہتے ہیں

پچپن سال کی عمر میں مجھ پر اور بہت سے راز کھلے
بے شک ابو اعلیٰ ظرف کے تھے
متحمل تھے، دانشور تھے
دور تلک وہ دیکھ رہے تھے، دیدہ ور تھے
وہ ہر کام کو مجھ سے بڑھ کر احسن طور پہ کر سکتے تھے
کر سکتے ہیں۔۔۔۔۔

اب میں ساٹھ برس کا ہو کر
چوٹ پہ ڈنکے کی کہتا ہوں
میرے ابو جانی مجھ کو جان سے پیارے لگتے ہیں
میری سوچوں کے آکاش پہ روشن تارے لگتے ہیں
بے حد عظمت کے مالک اور بے حد اچھے لگتے ہیں
دنیا کا کچھ علم نہیں، پر ابو سچے لگتے ہیں۔

چار برس کی عمر میں جو ایمان تھا میرا
ساٹھ برس کی عمر میں عرشی وہ ایمان ہوا ہے تازہ
ابو کی قدر وقیمت کا آج ہوا مجھ کو اندازہ۔

(ماخوذ از ماہنامہ "اقدار ملت" مارچ 2010ء، اسلام آباد ص27)

☆☆☆☆

نہ جانے کیا ہُوا

مرتضٰی خاں حسن مرحوم و مغفور

کیا ہوا دیں کی بہاروں کو نہ جانے کیا ہوا
لہلہاتے سبزہ زاروں کو نہ جانے کیا ہوا

کیا ہوئے وہ ولولے اور وہ اُمنگیں کیا ہوئیں
دین کے خدمت گذاروں کو نہ جانے کیا ہوا

جامِ وحدت کا کوئی اب پینے والا ہی نہیں
مے کشوں کو مے گساروں کو نہ جانے کیا ہوا

ڈھونڈنے سے بھی اب جنس وفا مِلتی نہیں
دوستوں کو دوستداروں کو نہ جانے کیا ہوا

گرمی مہر و محبت اب کسی دل میں نہیں
آہ! اُلفت کے شراروں کو نہ جانے کیا ہوا

حلّت و حرمت کی قیدوں سے ہوئے آزاد وُہ
ہائے ان پرہیز گاروں کو نہ جانے کیا ہوا

جیفہ دُنیا پہ مائل ہر کس و ناکس ہے آج
اتقا کے دعوے داروں کو نہ جانے کیا ہوا

غفلتوں پر ان کی ہے نالہ کُناں مُرغِ سحر
نیم شب کے اشک باروں کو نہ جانے کیا ہوا

وہ محبت کی نگاہیں وہ خلوص اور وُہ وفا
ان اخوّت کے نظاروں کو نہ جانے کیا ہوا

بزمِ ہستی میں نہ ہاو ہو نہ شورِ الغیاث
دل جلوں کو دل فگاروں کو نہ جانے کیا ہوا

گلشنِ عالم میں اب زاغ و زغن کا شور ہے
عندلیبوں کو ہزاروں کو نہ جانے کیا ہوا

اس قدر مدہوش ہیں وہ ہوش میں آتے نہیں
ہائے تیرے ہوشیاروں کو نہ جانے کیا ہوا

رات بھر روتا رہا ہوں درد سے میں غم نصیب
آشناؤں ، غمگساروں کو نہ جانے کیا ہوا